

سہ آتشِ گل



آتش گل

جگر مراد آبادی

مکتبہ انوار

سستا ایڈیشن

قیمت ۲ روپے

انتساب

میں اپنے اس مجموعہ کلام کو قائد ملت مولوی خان بہادر
 خان مرحوم سابق نواب بہادر یار جنگ کے نام نامی سے منسوب کرنا
 اپنا اطمینانی و ادبی فرض تصور کرتا ہوں جو سراپا گداز، مجسم اخلاص
 فقید المثال مقرر کامیاب مصلح اپنے وقت کے عظیم المرتبت خطیب اور
 اکابر جری انسان تھے جن کے گفتار و کردار میں کوئی تضاد نہ تھا۔
 وہ بیک وقت تمام محاسن شعری کا احاطہ کر لیتے تھے اور اچھے
 شعر سے اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے کہ میں نے انہی پر
 زندگی میں ایسا کوئی دوسرا خوش مذاق نہیں دیکھا۔ خدا سے رحمت و رحیم
 ان کی روح کو قرب خاص عطا فرمائے۔

جگر مراد آبادی

فیروز پرینگ پریس لاہور

فہرست

صفحہ	مصرعہ اول	نمبر شمار
۱۳	تجگر میری نظر میں	
۲۱	پرو فیس رشید احمد قدس	
۵۱	دیبہ چہ	
۵۲	آل احمد سرور	
۵۱	ہر حقیقت کو بانہ از تماشا دیکھا	۱
۵۲	یادش بخیر جب وہ قصور میں آگیا	۲
۵۲	کوئی جیتا کوئی مرتا ہی رہا	۳
۵۲	گداز عشق نہیں کم جو میں جوان نہ رہا	۴
۵۵	دل کو سکونِ رُوح کو آرام آگیا	۵
۵۶	شعرِ نغمہ رنگ و نکست جام و اصہبا ہو گیا	۶
۵۸	رُوبروئے دوست ہنگامِ سلام آگیا	۷
۶۰	پراسئے ہا لفظوں جینے کی ہوس کیا	۸

صفحہ	مصرع اول	نمبر شمار
۶۱	یک لحظہ خوشی کا جب انجام نظر آیا	۹
۶۲	تیرا تصور شب ہمہ شب	۱۰
۶۳	سیخہ میں اگر ہو دل بیداد محبت	۱۱
۶۵	غم ہے کیا نہینہ صفات و ذات	۱۲
۶۷	دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی و فایاد	۱۳
۶۹	حسین دل متبسم نگاہ پیدا کر	۱۴
۷۰	شاید و ساقی و بہار سے دور	۱۵
۷۱	نغمہ ترا نفس نفس، جلوہ ترا نظر نظر	۱۶
۷۳	محبت میں جگہ گزرے ہیں ایسے بھی مقام اکثر	۱۷
۷۴	تری رحمت خط بخش و خطا پوش	۱۸
۷۵	وہ احساں شوقِ جوانِ اول اول	۱۹
۷۷	اللہ سے اس گلشنِ ایجاد کا عالم	۲۰
۷۸	حسنِ کافر شہاب کا عالم	۲۱
۸۰	جنوں کم جستجو کم، تشنگی کم	۲۲
۸۱	رکھتے ہیں حضور سے نہ عرض رہنا سے ہم	۲۳
۸۲	یہ ذرے جن کو ہم خاکِ رو منزل سمجھتے ہیں	۲۴
۸۴	یہ تو نہیں کہ عرض غم، درخور اعتنا نہیں	۲۵
۸۵	مقامتِ اربابِ حال اور بھی ہیں۔	۲۶

صفحہ	مصرعِ اول	نمبر شمار
۸۶	دل میں کسی کے راہ کئے جا رہا ہوں میں	۲۷
۸۸	بے کیف دل ہے اور جئے جا رہا ہوں	۲۸
۸۹	جو سرتوں میں غلط نہیں، جو اذیتوں میں مزا نہیں	۲۹
۹۱	اس رخ پر اثر دام نظر دیکھتا ہوں میں	۳۰
۹۲	جز عشق معتبر یہ کسی کو خبر نہیں	۳۱
۹۳	نجات میں یہ کیا مقام اُڑ رہے ہیں	۳۲
۹۴	کہاں کے لالہ و گل کیا بہارِ تو بہ شکن	۳۳
۹۶	اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں	۳۴
۹۸	اب فقط و بیاں سب ختم ہوئے اب دید و دل کا کام نہیں	۳۵
۱۰۰	جب تک انسان پاک طینت ہی نہیں	۳۶
۱۰۱	بے ربط حسن و عشق یہ کیف و اثر کہاں	۳۷
۱۰۳	عشق کی بربادیوں کو راہِ یگانہ سمجھا لکھا میں	۳۸
۱۰۵	سبھی اندازِ حسن بہار سے ہیں	۳۹
۱۰۶	یہ صحن و روش، یہ لالہ و گل، ہونے دو جو دیراں ہوتے ہیں	۴۰
۱۰۸	غم معتبر نہیں ہے مکمل خوشی نہیں ہے	۴۱
۱۰۹	کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن	۴۲
۱۱۱	ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں	۴۳
۱۱۳	عشق لا محدود جب تک رہنا ہوتا نہیں	۴۴

صفحہ	مصرعہ اول	نمبر شمار
۱۱۳	جو طوفاں میں پلتے جا رہے ہیں	۴۵
۱۱۴	عمر بھر رُوح کی اور جسم کی یکجائی ہو	۴۶
۱۱۵	داغ دل کیوں کوئی مجھ روح پذیرائی ہو	۴۷
۱۱۶	ممکن نہیں کہ جذبہ دل کا رگزنہ ہو	۴۸
۱۱۷	پھول بسر کرتے ہیں خانوں کے ساتھ	۴۹
۱۱۸	ابھی نہ روک نگاہوں کو پیر سے خانہ	۵۰
۱۲۰	سراپا حقیقت مجسم فسانہ	۵۱
۱۲۲	یہ فلک، یہ ماہ و انجم، یہ زمیں یہ زمانہ	۵۲
۱۲۳	طبیعت ان دنوں بیگناہ غم ہوتی جاتی ہے	۵۳
۱۲۴	وہ ادائے دلبری ہو کہ خواہے عاشقانہ	۵۴
۱۲۵	محبت کا فرما کے دو عالم ہوتی جاتی ہے	۵۵
۱۲۷	کیا شمشیرِ حسن سے پناہ میں ہے	۵۶
۱۲۸	کسی صورت نہ دسوز پنهانی نہیں جانی	۵۷
۱۳۰	تکلف سے تصنع سے بری ہے شاعری اپنی	۵۸
۱۳۲	اگر شامل نہ در پردہ کسی کی آرزو ہوتی	۵۹
۱۳۳	دمی اس نظر میں ہیں کھپ جاسے واسے	۶۰
۱۳۴	آنکھوں میں ہیں کہے دل میں سما کر چلے گئے	۶۱
۱۳۶	وہ جو رو نہیں یوں منانا چاہیے	۶۲

صفحہ	مصرعِ اول	نمبر شمار
۱۳۷	برابر سے بچ کر گذر جانے والے	۶۳
۱۳۸	سودا جو اب ہے دل میں وہ سودا ہی اور ہے	۶۴
۱۳۹	یقین پریش ملال وہ فرما کے رہ گئے	۶۵
۱۴۰	پھر دل ہے قصد کو چہ جاناں کئے ہوئے	۶۶
۱۴۱	آئے ہیں کپھر وہ عزم و دل و جاں کئے ہوئے	۶۷
۱۴۲	ہم نے دنیا ہی میں دنیا کئے حقیقت دیکھی	۶۸
۱۴۳	واغظ نے اور زاہد شب زندہ دار نے	۶۹
۱۴۴	شبِ فراق ہے اور فیند آئی جاتی ہے	۷۰
۱۴۵	لقابِ حسنِ حقیقت اٹھائی جاتی ہے	۷۱
۱۴۶	نہ اسب سکرانے کو جی چاہتا ہے	۷۲
۱۴۷	جلوہ بقدر ظرفِ نظر دیکھتے رہے	۷۳
۱۴۸	یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے	۷۴
۱۴۹	محبت صلح بھی پیکار بھی ہے	۷۵
۱۵۰	نہ تابِ مستی نہ ہوشِ مستی کہ شکرِ نعمت ادا کریں گے	۷۶
۱۵۱	کس کا خیال کون سی منزلِ نظر میں ہے	۷۷
۱۵۲	زندگی ہے مگر پرانی ہے	۷۸
۱۵۳	اگر جمالِ حقیقت سے ربطِ محکم ہے	۷۹
۱۵۴	حسن و صورت کے نہ حسرت کے نہ اربانوں کے	۸۰

صفحہ	مصرعِ اول	منبرِ ثانی
۱۵۴	رنگ میں ایک برقِ خراماں لئے ہوئے	۸۱
۱۶۰	کس کا خیال ہے دلی مضطر لئے ہوئے	۸۲
۱۶۱	راز جو سینہٴ نظرت میں نہاں ہوتا ہے	۸۳
۱۶۲	عشق میں رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے	۸۴
۱۶۵	آج بھی یوں تو ہر ایک رندِ جواں ہے ساقی	۸۵
۱۶۶	ہر وہ حلقہ جو تری کا کل شبگیر میں ہے	۸۶
۱۶۷	شرما گئے، لہا گئے، دامن پھڑا گئے	۸۷
۱۶۸	یوں تو ہونے کو گلستاں بھی ہے ویرانہ بھی ہے	۸۸
۱۷۰	ہر تخیل میں نظر آئی	۸۹
۱۷۱	خود وہ آئے ہیں جام لئے	۹۰
۱۷۲	جان کر منجملہٴ خاصان سے خانہٴ مجھ	۹۱
۱۷۳	آپڑا کچھ وقت ایسا گردشِ ایام سے	۹۲
۱۷۴	جہل خرد نے یہ دن دکھائے ہیں	۹۳
۱۷۵	صبحِ کعبہ نہ سہی، راتِ صنم خانہ نہ سہی	۹۴
۱۷۷	یہ راز ہم پر ہوا نہ افشا کسی کی خاص اک نظر سے پہلے	۹۵
۱۸۰	اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے	۹۶
۱۸۲	آدمی، آدمی سے ملتا ہے	۹۷
۱۸۵	افشاں (مفرد اشعار)	۹۸

منظومات

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۹۱	محبوبہ ملاقات	۱
۱۹۲	یاد	۲
۱۹۶	سراپا	۳
۱۹۸	قحط بنگال	۴
۲۰۰	پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے	۵
۲۰۱	آج کل	۶
۲۰۳	گاندھی جی کی یاد میں	۷
۲۰۵	آواز نہیں	۸
۲۱۱	گزر جا	۹
۲۱۵	نوائے وقت	۱۰
۲۱۶	زمانے کا آقا غلام زمانہ	۱۱
۲۱۷	دل حسین ہے تو فحبت بھی حسین پیدا کر	۱۲
۲۱۸	اعلان جمہوریت	۱۳
۲۲۰	ساقی سے خطاب	۱۴
۲۲۳	قند پارسی (کلام فارسی)	۱۵

حسگر میری نظر میں

پروفیسر رشید احمد صدیقی

غزل جتنی بدنام ہے، اتنی ہی مجھے عزیز ہے۔ شاعری کا نام آتے ہی میرا ذہن غزل کی طرف مائل ہوتا ہے غزل کو میں فن نہیں اپنی شاعری کی آبرو سمجھتا ہوں۔ ہماری تہذیب غزل میں اور غزل ہمارا تہذیب میں ڈھلی ہے۔ دونوں کو سمجھنا و رفتار ایک دوسرے سے حاصل ہوئی ہے۔ اس پر نہ ہنسنا چاہیے نہ رونا۔ اس کا احترام کرنا چاہیے ہندوستان میں جن دیسی دیسی مذاہن مولویوں یا روایات کی بڑی مان لان رہے یا رہی ہے اور وہ اچھی غزل ہے۔ غزل شاعری نہیں تہذیب بھی ہے۔ وہ تہذیب جو دوسری تہذیبوں کی نفی نہیں کرتی بلکہ انکی تصدیق بھی کرتی ہے اور تلفیح بھی کبھی کبھی کر لیتی ہے۔ غزل کے اصلاحی اور ابتدائی مفہوم پر اب زور دینے کی ضرورت نہیں ہے جن ہزار روایت ہو مذہب و اخلاق ہوا انکارشتہ پٹنے یا سبق سے ضرور ہوتا ہے لیکن انکا احترام کسی اور بنا پر کیا جاتا ہے۔ غزل کی اہمیت کا انحصار اس پر بالکل نہیں ہے کہ اس میں یا اسکے وسیلہ سے عورتوں کے گفتگو کی گئی یا نیچا جاتی ہے۔ اس کا

احترام اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس سے گفتگو کرنی آجاتی ہے۔ اردو ادب میں ہر طرح کے شاعر گزرسے میں انکی شاعری کا مقصد و غور بھی جدا گانہ رہا ہے۔ شین ہادی شاعری میں اثر کا جانو غزل ہی نہیں تو غزل ہی سے جگایا گیا ہے۔ غزل میں ہمارے ہاں بے ماہروی بھی ملتی ہے ہر طرح کی بے ماہروی اور بھی بھر کے ماہروی۔ یہ غزل کا قصور نہیں ہے یہ اس ماہرو کا قصور ہے جو اپنی کم لگمی یا کم ظرفی سے رہنمائی کے قریب کو منزل مقصود سمجھ لیتا ہے۔ ادنیٰ درجہ کے لوگوں نے زندگی کی بڑی قدروں کی اس طرح سمجھتی کی ہتے غزل کو بڑھاتا یا اسے ادنیٰ درجہ کی شاعری قرار دینا پڑے۔ لکھنے بکھڑا لوگوں کے نزدیک کتاب مہنی کی بات سمجھی جاتی ہے۔

صنف شاعری کے اعتبار سے غزل کو سب سے اونچا درجہ نہیں دیتا۔ اردو ادب سے اچھے سے اچھے غزل گو کو سب سے بڑا شاعر ماننا ضروری سمجھتا ہوں غزل ساری شاعری بھی نہیں شاعر کا درجہ اصناف سخن سے متعین بھی نہیں ہوتا شاعری میں کسی مخصوص زندگی، ذہن اور زمانہ کی عکاسی، ترجمانی یا تلاش یا طلب بھی خواہ مخواہ سی بات ہے شاعری دنیا کی مادری زبان ہے بڑی شاعری وہ ہے جہاں انسانی اپنی منزلت محسوس کئے کہ رنج و راحت، غنا و ثواب یا رنج و جاپاں میں شاعری میں تجربات کا قائل ہوں تجربات میں شاعری کا نہیں تجربہ کو تجربہ ہی سمجھتا ہوں اہم نہیں میں ایسے تجربہ کو لا طائل اور خطرناک سمجھتا ہوں جہاں شاعری کے پرکھنے کی ہمت ہو نہ توفیق نہ نیت۔ تجربہ کرنا جتنا آسان ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل اس تجربہ سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا ہوتا ہے۔ اپنی کوشش پر فخر

جتنا آسان ہے اتنا ہی اپنی حماقت کو تسلیم کرنا دشوار۔ انسانی تاریخ میں ہر جگہ اسکی مثالیں ملتی ہیں اور زندگی دونوں جہان تجربہ ہی سے آتی ہے جو تجربہ سیکھنے کے یا تجربہ میں پھنسنے کے لئے انکا مستقبل کوئی نہیں بذاتِ خود میں مستقبل کا کچھ زیادہ قائل نہیں ہوں۔ میں تو ماضی کے مستقبل اور مستقبل کے ماضی کا زیادہ قائل ہوں۔ مستقبل کا میں یوں بھی عاشق نہیں ہوں کہ میں نے اس کا منتظر بالعموم ایسے ہی لوگوں کو پایا جو اپنے مستقبل کیلئے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں یہ نسبت کسی دوسرے کے۔

میں شاعری میں تجربہ کا اس لئے قائل نہیں ہوں کہ غزل یا ہم آپ واجب القتل ہیں بلکہ اسلئے کہ جو لوگ غزل سے دلچسپی نہیں رکھتے یا اسکو کافی نہیں سمجھتے ان کیلئے شاعری کے دوا ان سے بند نہ ہو جیسا کہ شاعری اصاف کل میں کبھی قید ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ زندگی کے بدل جانے سے شاعری کی وضع قطع، موضوع، اسلوب، انداز کا بدل جانا بھی کوئی قیامت نہیں۔ ایسا ہوتا رہا ہے، ہونا چاہئے اور ہو کر رہے گا۔ وضع قطع اور موضوع بھی شاعری نہیں ہے۔ شاعری کو وضع قطع میں محدود کر دینا رسم ہے اور موضوع میں مقید کرنا پروپیگنڈا۔ مجھے دلوں میں سے کسی ایک پر بھی فخر نہیں۔

سائنس اور نفسیات نے ہمارے ذہن و فکر کو نئی وادیں اور نئے نئے نازدیں سے آشاکیا ہے۔ ان کا کام بھی یہی ہے۔ نئی حقیقتیں برابر سامنے آ رہی ہیں جنہوں نے جانی پہچانی حقیقتوں کو کہیں تلخہ اجاڑ کر دیا ہے کہیں انکو پیچھے دھکیل دیا ہے اور کہیں بالکل ختم کر دیا ہے۔ ادب شاعری، مصوری، زندگی غرض ہر جگہ یہ اشارتے نمایاں ہیں۔

مصدوری اور شاعری کا نیا انداز دیکھ کر ہم طرح طرح سے بہہ نکلتے ہیں۔ یہ بدکنا صحیح نہیں ہے۔ ہم نے حسن کو اپنی پسند یا نا پسند کی باندی بنا لیا ہے لیکن نہ حسن عقیدہ محمد و سہ ہے نہ انسان کی پسند و نا پسند۔ اسلئے پسند و نا پسند کے معاملہ میں احتیاط و انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ کائنات کا حقیر تر ہے جزو بھی اتنا ہی حسین، عظیم و ناقابل فہم یا ناقابل تسخیر ہے جتنا کہ یہ پورا کارخانہ قدرت، اسلئے جزو کل کا نقص اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ کائنات حسن بھی ہے اور قانون بھی۔ اس حسن اور قانون کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ ہم ایسا نہیں کرتے۔ ہم تو اپنی پسند کی قوت کو حسن اور اپنی پسند کی لعنت کو قانون سمجھتے ہیں۔ حقیقی اور بڑی شاعری شاعر کا انفرادی، یگانہ اور لازوال کارنامہ ہوتا ہے۔ برخلاف سائنس کے کارناموں کے جو مشترکہ محنت اور تحقیقات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایٹم بم بنانے میں معلوم نہیں کتنے سائنس دان اور سائنس کے کارپرداز شریک ہیں۔ لیکن اقبال کی نظم ”تمنا“، ”مسجد قرطبہ“ یا ”ساقی نامہ“ صرف اقبال کے کارنامے ہیں۔ میرا مقصد یہاں سائنس کی اہمیت و عظمت سے انکار نہیں ہے صرف شاعر کا منصب جتنا ہے۔

تیس سال کے اندر وہ ایسی بھیا ناک جنگوں کا وقوع میں آنا جن کی مثال تاریخ میں نہ ملے گی۔ زندگی کے طور طریقوں کو مسخ یا منقلب کر دینے کیلئے کافی ہے جب زندگی اس طرح زیر و زبر ہو چکی ہو تو شعروادب کے زیر و زبر ہو جانے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اے ہمارے عالی و مرغ اور بڑے ٹکھنے والوں کا

فرض ہے کہ وہ بتائیں کہ ہم کس مصیبت یا قریب میں مبتلا ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم گرفتار تو ان جنگوں کے عواقب کے ہوں لیکن سمجھتے یا سمجھتے ہوں کہ خود زندگی تعبیر ہے ان عواقب سے۔

مصیبت کو دور کرنا جتنا مشکل ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ سہل منفعت بخش اور ذیل شغلہ اس کلیت سے ناچار فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ غلہ پیدا کرے سے زیادہ منفعت بخش مشغلہ غلہ کی سید بزاری ہے کسی قوم یا مشعر و ادب کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ قوم یا اس کا شعر و ادب منزل یا منزلت کے کس درجہ پر ہے۔ ہم میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ادب اور زندگی کی حرمت سے کیا حاصل۔ جب ان دونوں کے بیچ کھانے پر اندازہ نہ ہو تو یہ سمجھتی ہو جتنی تعذیب معاشی بکھراں میں ایسا ہونا تعجب کی بات ہے۔ ہر تعجب اس کا ہے کہ صنعتی تہذیب اور معاشی بکھراں کو انسانیت کا تقاضا یا مقصد یا تہذیب کا محور نہ تھا قرار دے دیا جائے۔

دنیا کتنی ہی تیزی سے آگے کیوں نہ بڑھ رہی ہو انسان کا ذہن ہمیشہ اس سے آگے ہوتا ہے۔

انسانی ذہن اپنے کارنامے کیچھ چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا ہے وہ ان

۱۷ استاد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سردیا ہیں غصہ۔
کہ ہے سرخیز ہڑگان آہو ایشہ۔ حنا اپنا

اس شعر کو آپ غالب کا کارنامہ سمجھیں یا نہ سمجھیں، یہاں سر کا یا آج

میر کا نام ضرور ہے۔ ۱۲

ایسا فقرہ نہ نکلتا یا کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوتا جس سے خود ان کو یا ان کے دوستوں کو شرمندگی اٹھانی پڑتی۔ مثلاً اب اور شاعری سے زیادہ بچہ نقاب کر سنبھالی کم کوئی چیز ہوگی جس پر صاحب کو ان دونوں نے دیکھ کر کر بے نقاب کیا۔ برہنگی نہیں نظر نہ آئی۔ بلکہ ایک برجستہ وجود عارف بنے کسی ایسے ہی موقع پر کہا ہو گا کہ

پیمانہ براں رند حرامست کہ غالب

وہ بے خودی اندازہ گفتار دارد

خبر گھر صاحب کو میں نے شاعری پر بحث کر سنی تھی کہ وہ شاعری پر نہیں کر سکتے۔ اپنی ہمدیاں پر حد کے سوا وہ جد کر لیتے ہیں دو افسوس کی شاعری کے کچھ دست زیادہ دیکھ میں ہیں فانی کے بھی نہ لکھے تھے بگراہ فانی دونوں کا شاعری کا اندازہ تھا۔ غزل گوئی میں ہونا بھی کچھ ایسا ہی ہے شاعری شخصی ہے۔ میں دونوں کا قائل ہوں لیکن ہر اسی سے آگے چھوڑنا چاہیے یہاں دو قول میں تمیز کرنا دشوار ہے۔ یہاں سے یہاں یا نہیں لیکن جہاں وہ جوت سے گزر کر جہاں میں ن لے میں ہیں اقبال سے ان کو سفر نہیں ہوتا۔ اقبال سے اس اوردشاد اور اب عریض تھا کی شاعری نے بعض تنقید نگاروں کو مرثیہ و چھپ چھپ برآمد کر دیا ہے۔ وہ کبھی غزل کی بند کر کے شاعری کی مذمت کرتے ہیں۔ یہ بھی شاعر کی مذمت کر کے جگر کا مریض تھا۔ اعلان غزل پر شاعر جیسا ہے یا نہیں۔ اس لئے وہ ایجاد یا برآہ شاعر یا اندازہ کرے۔ جگر داغ کے قبیلہ کے ہیں فانی اور خریا غالب سے کوی بہت

نہیں رکھتے..... جگر سے وہ ذہنیت شروع ہو جاتی ہے جو
 نئے دور کی اصل روح ہے..... جگر کے کبھے میں خود باطنی
 اور نڈاپ ہوتی ہے اس کا داغ اور داغ کے مدد سے شاعری میں کہیں
 پتہ نہیں ماور نہ ہو سکتا تھا..... جگر کی شاعری میں جو رومانی
 دوسری ہے وہ کچھ ہمارے ہی دور کی چیز ہے..... جگر
 کی شاعری بہت سطحی شاعری ہے۔ نامرادی اور بے جا رنگ کے احسا
 نے ان کے یہاں کچھ نئے عنوان کی نرمیاں ضرور پیدا کر دی ہیں
 لیکن ادنیٰ درجہ کا بوس و کنار اور سستے قسم کی لذتوں کی ہوس
 دوسرے شاعروں کی طرح ان کے یہاں بھی ملتی ہے.....
 البتہ جگر کے کلام میں ایک تھلاہٹ بھی پائی جاتی ہے۔ جو ان
 لذتوں کے میسر نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے جس کو انہو
 نے اپنے لیے لذت بنا لیا ہے..... جگر کی شاعری
 میں نفسیاتی مزاحم اور جذباتی رکاوٹوں کا کہیں پتہ نہیں ہے.....
 جگر عشقیہ زندگی کے عارضی لحاظ کے شاعر ہیں
 شاعری کی فوج ان نسل نے جگر سے وہ بے باک معصومیت اور
 باغیانہ اور سرفروشانہ صداقت از سر نو پائی جس کی کسی زمانے
 میں سمجھی کا سبب ہم اطلاق قسم کھا چکا ہے اور جو فوجانوں
 سے جا چکی ہے..... داغ سے جو ترکہ جگر نے پایا ہے
 وہ عشق کی آزمودہ کاری ہے..... جگر کے اشعار
 میں کسی قسم کی گرائیاں نہیں ہوتیں۔ ان کے یہاں ایک تھا ہٹا۔
 ایک جذباتی ہیجان ضرور ہوتا ہے جس کو ہم ذکر کیف سمجھ لیتے ہیں

..... جبکہ کو حکمت و اخلاق سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔ کائنات اور انسانی زندگی کے اسرار اور رموز سوچنے سمجھنے کی ان کے اندر تاب ہے نہ ان کو اس کی فکر کہ وہ زندگی کی ان گدائیوں اور بلندیوں کا جائزہ لیں جبکہ کی رسانی فکر احساس کا دائرہ بہت تنگ ہے اور ان کے یہاں موضوع کے اعتبار سے زیادہ تنوع بھی نہیں۔ اس لحاظ سے وہ اپنے معاصرین مثلاً عزیز - فانی - آصف وغیرہ کے مرتبے کو نہیں پہنچتے جبکہ کے اشعار میں جو نیا پن ہے اسی کا تعلق دراصل اعجاز و اسلوب سے زیادہ ہے۔ فکر و احساس سے کم ہے وغیرہ یہ باتیں اور اس طرح کی باتیں جبکہ کے کلام پر صادق آتی ہوں یا نہیں متعلق کے ذہنی اضطراب و انتشار کی غمازی ضرور کرتی ہیں۔ جبکہ کی شاعری پر نہیں۔ اردو شاعری پر بھی ہمارے اکثر نقاد و اہلاد خیال کرتے ہیں تو بالعموم ان کے سامنے یا تو اقبال کی شاعری ہوتی ہے یا ترقی پسند نظریے۔ اقبال کی شاعری اور ترقی پسند نظریے دونوں اپنی اپنی جگہ مسلم۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شاعر انہیں متعلقوں میں اسیر ہو۔ بالخصوص ترقی پسند۔ لیکن اس سبب کا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ذہنوں پر اقبال کی کیسی گزرت ہے یا ہماری فیتوں پر ترقی پسندی کے نظریے کس درجہ مسلط ہیں۔

یہاں میں فن تنقید پر کوئی بحث نہیں چھیڑنا چاہتا لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے بعض ہونہار اور ذی استعداد فوج

جن میں تنقید کی اعلیٰ صلاحیت پوشیدہ ہیں غالباً دانستہ طور پر ہمارے
بعض اچھے شعراء کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ سیاسی استیلا نے
مترفا سے ادب کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔ آرٹ اظہ
ادب کے خدمت گفاریوں کو سیاسی نظریوں سے اتنا مرشاد نہ ہونا
چاہیے کہ وہ اس کے صحیح حدود و ضل اور صانع نقادوں کو ذرا موش کمر ہاں
یا ان کو مسخ کرنے کی کوشش کریں۔

شاعر۔ ادیب۔ آرٹسٹ نہ زمانے کے پابند ہوتے ہیں نہ
زندگی کے۔ نہ نقاد کے۔ زمانہ۔ زندگی اور نقاد تینوں شاعر یا ادیب
اور آرٹسٹ کے منظر ہوتے ہیں۔ زمانہ ان کا پابند ہوتا ہے وہ زمانہ
کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ اپنے الملوں کے غلام نہیں ہوتے بلکہ ارادوں
کو اپنی ضرورت تسلیم کر دیتے ہیں۔ اگر شاعر اپنے ماحول کا پابند یا نقاد
کی ختم برداری پر مہمل ہو تو شاعری ادب اور زندگی سے تازہ کاری
جو عین زندگی ہے جاتی رہے۔ زندگی کا انسانی تصور ہے، مرض و
ماحول کا نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جب ہر چار طرف آگ لگتی ہو
تو شاعر بالسرے بجاتے رہتے ہیں حق بجانب ہے لیکن اسی کے ساتھ
نہ یہ کہتے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ اگر بعض مواقع پر بالسرے
شاعر کو زیب نہیں دیتا تو ہر موقع پر نقاد کا بھی بالسرے بجانا
کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔

جس طرح ملاؤں نے خدا کے آداب اخلاق، وضع قطع، پسند
نا پسند اور علم و عمل کی مکمل ترجمانی اپنے دے لے لی ہے اور ہر وقت
یہ بتانے پر آمادہ فساد رہتے ہیں کہ خدا نے یہ کیا ہے یہ کرنا چاہتا ہے

اور یہ کرے گا۔ اسی طرح بعض نقاد مارنے مارنے پر تیار رہتے ہیں کہ زندگی یہ بے محاب وہ ہے۔ آپ جتنا پسند ہیں میں ترقی پسند۔ اگر خدا اتنا ہے اور ویسا ہی ہے جیسا کہ ملا بتاتے ہیں اور زندگی اور اب وہی ہے اور اتنا ہی ہے جتنا کہ ترقی پسند بتاتے ہیں تو ان کو ملاؤں سے نانا ہوڑ دینا چاہیے۔

تفہیم یزدان کا فن ہے نہ ابرس کا۔ وہ انسان کا فن ہے۔ انسان کے بہترین کارناموں کے پر لھنے کا فن۔ ظاہر ہے کہ بہت ہی درجہ پر کھنے کیلئے انتہائی دیانت و انشعری اور احترام شدہ مایہ پڑھنے کی پسندی کیساتھ انصاف پسندی بھی ہونی چاہیے۔ تفہیم یزدان کو پوچھیں کہ ترقی پسند ناچھتیا کرتا ہے نہ شانہ نشین رشتوں کی مانتا عمل لانا ہے نہ سبکدوش کیسی تفہیم ہے کہ امتداد پر کی ہو پیغمبر عمر کا، خدا کا اور جسے وہ شہر کی ہر امت کا احترام کی پیغمبر کیساتھ اور اسی خدا کے ساتھ رہتا ہے۔ کہاں کی تفہیم ہے کہ اکبر الہ آبادی ناام شہر کے کہہ رہا ہے۔ اسے اور سرسید نا کا میاب ہے اسلئے کہ وہ جس کا نام نہ لے سکتا ہے اسلئے نا کا میاب رہی کہ چین پر روس کا قبضہ ہو گیا۔ وہ روس مالک ہے۔ اسلئے کہ اسلئے کہ رستمید صدیقی تاجر صاحب پر کچھ شرم نہ ہوتا ہے۔ میں اپنے اکثر نقادوں سے کہوں گا۔

”دل نہ منی بخوب ما طعنہ مزین برشت ما“

غزل پر حاتم لکھتے ہیں ہمارے تفہیم نگاروں کو یہ ملے گی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ غزل ایک طرف تو مشقوں کیلئے شوق کی حیثیت رکھتی ہے تو دوسری طرف استادوں کی آستین کا معیار بھی نہیں کرتی ہے۔

شاعری بالخصوص غزل میں خاص احسان و فکر و خالص انداز و اسلوب کا میں قائل نہ
ایک کو میں مرض سمجھتا ہوں جس سے کوئی نیزایا یا باز گیری ہم اور ہمارے شعرا اس
کی باتوں میں مدتوں مبتلا رہ چکے ہیں یا یہ ہمیں انداز و اسلوب کو بہت مزین
ہو جاتا ہے نئی بات شاذ و نادر ہی کہی جاتی ہے۔ بات پلٹی ہی ہوتی ہے اور
بیان اس کو نیا کر دیتا ہے۔ کوئی بات دلنشیں اور دیرپا نہیں ہو سکتی اگر وہ
اسلوب سے مناسبت اس پر مشتمل نہ کہی جائے۔ اسلوب ہونڈوں ہو تو گفتنی ناگفتنی بن جاتا
ہے اور ہونڈوں ہو تو ناگفتنی گفتنی۔ آج کا شعروادب میں جو انفرادی تفریق ملتی ہے
اس کا بڑا سبب ہے کہ گفتہ ملنے سے مناسبت اسلوب اور اس پرٹ کو کام میں نہیں لگتے
مثلاً جسے ہم عربی یا فحاشی یا ہندوئی کہتے ہیں وہ دراصل مناسبت اسلوب
اسپرٹ کا فقدان ہے۔ بات کرنی آتی ہو تو بات بھی نہیں بگڑتی۔

ایک ہی بات ہزاروں آدمی ہزاروں سال سے کہتے آئے ہیں اور
کوئی خاص اثر نہیں ہوتا لیکن اسی بات کو شاعر اسی طرح کہہ دیتا ہے کہ
وہ زبان زندہ ہو جاتی ہے اور کہاوت بن جاتی ہے۔ میرے ہمارا اسلوب
عرب و لٹال میں ملتے ہیں۔ سہل ممتنع کا یہی مفہوم ہے۔ گالیاں۔ کو سنے
دعائیں، کہاوتیں بہت بڑے شعرا کے شاہکار ہیں۔

ظاہری حالات و حوادث سے موجودہ غزلی گویوں میں جگر سے
زیادہ براہ راست متاثر ہونے والا شاید ہی اور کوئی ہو۔ جگر میں یہ
بات آج سے نہیں مدتوں سے ہے۔ انہوں نے ہر بڑے حادثہ کا اظہار
اپنے کلام میں اکر کیا ہے۔ کچھ دنوں سے ان کے کلام میں تاثرات کی یہ
زمینیں لہر زیادہ نمایاں ہو گئی ہے۔ غزل میں یہ چیز حسرت سے ہوئی تھی
لیکن جگر سے یہاں یہ زیادہ گہری اور زیادہ حسرت کے یہاں اسکی

حیثیت خبر کی سی ہے تجگر کے یہاں یہ قلب کی دھڑکن بن کر نمایاں ہوتی ہے۔ میرے نزدیک یہی وہ مقام ہے جہاں شاعری شخصیت کو یا شخصیت شاعری کو پست یا بلند کرتی ہے شاعری اور پروہگنڈے کا فرق بھی یہیں ظاہر ہو جاتا ہے۔

حسرت اور تجگر دونوں اصلاً حسن و عشق کے شاعر ہیں لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ ایک محبوب کی موجودگی میں اور دوسرا محبوب کی دوری پر غزل خواں ہوتا ہے۔ محبوب کی موجودگی وصال کی محرک ہوتی ہے، دوری محبت کی۔ تجگر محبت کے شاعر ہیں حسرت محبوب کے تجگر دوری معجوری کی عظمت کے قائل ہیں۔ کم سواد شاعروں کے خلاف وہ قیمت پر وصال کے خیردار نہیں ہوتے۔ تجگر شاعر اور حسرت کے نازک اور گراں بہا کشتہ کو طوب سمجھتے ہیں اور اسے نباہتے ہیں۔ ان کے عشق میں خواہ مخواہ کی قد و بہت، فلک و گلی نہیں ہے۔ غالب نے سب سے پہلے نہایت واضح طور پر عاشق کی سطح کو اونچا کیا۔ تہذیبِ رسم عاشقی حسرت کے یہاں غالب ہی سے آئی جسے جگر نے تادمِ رسم عاشقی تک پہنچا دیا۔ اب تک تو یہ روایت چلی آتی تھی کہ شعرا عاشقی کے جذبات، احساسات کی ترجمانی کرنے پر پورا زور صرف کر دیا کرتے تھے۔ تجگر کے یہاں محبوب کے جذبات و احساسات کی بھی ترجمانی ملتی ہے۔

شاعر (عاشق) وصالِ محبوب کی خواہش کا اظہار کرے گا تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ وہ تہذیب سے گرجائے۔ لیکن جب بھی وہ محبوب کے جذبات کی ترجمانی کرے گا۔ احتیاط و احترام کے دائرے سے قدم باہر نہ نکال سکے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو خود

اپنی نظر سے گر جائے گا۔ جبکہ عشق کے غلبہ میں محبوب کی عفت کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ اردو کے عام شعرا کے یہاں محبوب کا کردار کچھ زیادہ بلند یا دل پسند نہیں ہے۔ ہندی شاعری کی روایت یہ ہے کہ اظہار عشق عورت (بیوی) کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور اکثر دردمجوری کا اظہار ہوتا ہے۔ طلب وصال کا نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس طرح کی شاعری کا دائرہ کشا ہی مختصر کیوں نہ ہو اس کی پاکدامنی مسلم ہے۔ اردو شاعری میں عورتوں کی طرف سے مردوں نے رنجی میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے، وہ اتنی شاعری نہیں ہے جتنی کہ ذہنی ادب یا سٹی رنجی کے جواز میں بھی کچھ نہ کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن وہ جس بات کی غمازی کرتی ہے وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔ عام شعرا کے محبوب سے دوستی کرنے کی خواہش ہم میں آپس میں مشکل سے پیدا ہوگی۔ جبکہ کے محبوب کو ہر شخص اپنا کا چاہے گا۔ اردو شاعری کو یہ زاویہ تہجیر نے دیا۔

تہجیر کو آصف سے بڑی گہری عقیدت ہے۔ لیکن شاعری میں وہ آصف سے بالکل علیحدہ ہیں۔ آصف سے ان کا لطیف شخصی ہے، شاعرانہ نہیں۔ جس طرح حالی کا غالب سے تھا۔ آصف کے یہاں تخیل زیادہ، جذبہ کم ہے۔ تہجیر کے یہاں جذبہ کی شدت ہے اسی لئے تخیل کی کمی ہے۔ آصف کی شاعری حسن کی شاعری ہے۔ تہجیر کی عشق کی حسرت کی محبوب کی۔ آصف کے یہاں تصوف کا تخیل حسن بنیادی نہیں ہے۔ اونچے درجہ کی ریاضیات و طبیعیات کے مانند اونچے درجہ کی حسن کی شاعری تصوف معلوم ہونے لگتی ہے۔ آصف نے اپنی حسن کا شاعری یا شاعرانہ

حسن کاری میں تصوف سے کام لیا ہے۔ لیکن صرف اس حد تک جس حد تک ان کا تصوف ان کے مقصد کے لئے کارآمد ہو سکتا تھا۔ اردو شاعری میں تصوف کو معتقدات کے دائرہ سے نکل کر حسن کار و حسن آفریں اقصیٰ نے بنایا۔ اقصیٰ نے اپنی شاعری کا مدار تصوف پر رکھا نہ کہ تصوف کا شاعری پر۔ جس طرح اقبال نے اپنی شاعری کا مدار فلسفہ پر رکھا، فلسفہ کا شاعری پر نہیں۔ اقصیٰ نے بیت کسی کی کی ہو مرید وہ اپنی طبع حسن شناس و حسن شعار کے تھے۔

حسرت کے یہاں زبان و بیان کی ایسی بے ساختگی ملتی ہے کہ ان کے الفاظ و تراکیب کی غزابت یا اچانک پن بھی مزہ نہ جاتی ہے اکثر یہ غزابت ہی ان کا نشان دہتی ہے۔ بچوں کے مانند وہ اس رعب معصوم اور بے تکلف ہیں کہ ان کا حجاب کھل کھیلنا، اور زیادہ بھلا معلوم ہونے لگتا ہے۔ عیب بھی سادھی بات کو بغیر کسی فلسفہ یا فتور نیت کے منے سے کہنا اور پس کہہ ڈالنا حسرت کا حصہ ہے۔ وہ بات کہہ کر خوش تو ہوتے ہی ہیں لیکن اس احساس سے اور زیادہ خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کی باتوں کے دوسرے ان سے بھی زیادہ خوش ہو گئے۔ یہ خلاف دوسرے کم سوار شعراء کے جو بات اس طرح کہیں گے گو یا دنیا میں ہی اس بات کے کہنے کے لئے بھیجے گئے تھے اور اگر ہم آپ سے نہ سمجھیں یا اسکی قدر نہ کریں تو اللہ کے غضب یا اللہ کے اذیت ڈریں۔ غزل میں توازن حسرت نے پیدا کیا۔

دراغ کارنگ اردو شاعری سے نہ جاسیگا اس لئے کہ وہ کوئی شے نہیں ہے بلکہ ہماری شاعری اور ہماری زندگی کے بنیادی رٹاؤں میں سے ہے۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں زندگی اور زمانے سے ساز باز کرتا ہمارا

دلوں کو اپنی شوقی و شرارت سے چھڑتا پھیرتا رہے گا۔ تاغ کا یہ
 رنگا سحر کے یہاں بڑے پسندیدہ انداز میں جلوہ گر ہے۔ یہ
 مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ ہماری زندگی سے شوقی اور
 شرارت و رخصت ہو رہی ہے۔ جس زندگی میں تلمیخی اور نفرت راہ
 چلی ہو وہاں شوقی اور شرارت کا کہاں گزر۔ غزل گو آج بھی پیدا
 ہو رہے ہیں لیکن نہیں پیدا ہوتا ہے تو حضرت کا نام لیوا۔ یہ تردد کی بات ہے
 میرا خیال ہے کہ جگر کی شاعری بے شراب کو جتنا نفع پہنچا
 اتنا شراب سے جگر کی شاعری کو نہیں پہنچا۔ شراب پی کر شاعری
 نہیں کی جاتی۔ جس طرح آج کل کے سپاہی شراب پی کر فوجی باجہ کی
 گت پر محاذ جنگ پر لڑنے مرنے جلتے ہیں۔ دراصل شخصیت شراب
 ہوتی ہے جہاں سے شاعری نشہ بن کر برآمد ہوتی ہے جس طرح سد
 سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب

شراب نشہ نہیں پیدا کرتی۔ نشہ شراب پیدا کرتا ہے۔ جگر
 میں جو اضطراب و ہيجان ہے وہ شراب کا نہیں ہے۔ وہ دریا بوجہ
 توفیش موج دار وئے جو لوگ یہ بتاتے ہیں کہ شراب چھوڑ دینے
 سے جگر کی شاعری کا تار و بود ڈھیلہ ہو گیا وہ دراصل جگر کے
 شراب پینے یا ترک کر دینے کے واقعات پر نظر رکھتے ہیں، جگر
 کی شاعری پر غور نہیں کرتے۔ یہی مغالطہ ان لوگوں کو ہے جو حالی
 کے بارے میں کہتے ہیں کہ غزل ترک کر کے حالی شاعر نہ رہے
 شاعری شغل نہیں شخصیت ہوتی ہے۔ حالی کی غزلوں کو دیکھ کر
 کون کہہ سکتا ہے کہ وہ غزل پر اکتفا کرتے۔ حالی کی غزلوں پر ان

کی بعد کی نظموں کی بڑی واضح پرچھائیں ملتی ہے۔ جگر کی شاعری
 دیکھ کر مجھے اکثر محسوس ہوا کہ یہ شخص شراب ترک کئے بغیر نہ رہے گا۔
 جگر نے شراب کی بنیاد شاعری پر رکھی ہے شاعری کی بنیاد شراب
 پر نہیں رکھی ہے۔ میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ شاعر کو اپنے تصور یا مسلک کی
 بنیاد شاعری پر رکھنا چاہیے۔ اپنی شاعری کو کسی تصور یا مسلک پر نہ رکھنا چاہیے۔
 مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے کہ جگر جدید اردو غزل میں
 ایک نیا مقدر رکھے۔ جس کی تکمیل ہو چکی اور یہ مقدر بہت کچھ محترم بالشان
 مقدر نہ تھا۔ بیسویں صدی میں اردو غزل کا مقدر حسرت، قافی، آصف
 و جگر چاروں کے کلام بہ مشتمل تھا۔ انیسویں صدی کے خاتمہ پر ہماری
 غزل کو ہمارے تمدن کے ساتھ نئے حالات اور نئے مطالبات
 کے کشن اور ٹکھن سے گزندنا پڑا اور غزل ان بیمار دبستانوں میں
 جلوہ گر ہوئی جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ بیسویں صدی کے
 نصف تک پہنچتے پہنچتے ان دبستانوں سے آصف اور قافی معروض حفا
 میں آ گئے۔ حسرت کے بارے میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ان کے
 پیروان محض بھی معدوم ہونے لگے ہیں۔ اب صرف جگر رہ گئے ہیں۔
 بذات خود مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ بحرانی و ہرجائی دور
 میں غزل جگر ہی کے سہارے بڑھنے لگی۔ جگر کی شاعری میں وہ عناصر
 ہیں جو اس دور کے آشوب آزمائش میں غزل کو تباہ و تاراج نہیں کریں گے۔

دیساجہ

آل احمد سرور

جگر ایک رومانی شاعر ہیں۔ ہمارے کسی نہ کسی حقیقت کو ہی
 ذابوں میں پیش کرتا ہے۔ جگر کے یہاں بھی خواب اور حقیقت کی
 دھوپ چھاؤں نظر آتی ہے۔ جگر نے ساری عمر حسن اور عشق کے
 فتنے کا سہا ہے حسن و عشق کا تصور ان کے یہاں باوجود اپنی لطافت
 اپنے دھندلکے، اپنے جلوؤں اور اس کے پردوں کے ایک زندہ اور
 حقیقی تصور ہے۔ ان کا عشق رومانی ہے۔ وہ حسن کو ایک قدر مطلق
 مانتے ہیں مگر ان کے یہاں حسن ایک ماورائی پرچھا میں نہیں ایک
 اور تابندہ حقیقت ہے۔ جگر کے حسن کا تصور اور آصف کے تصور
 مختلف ہے۔ اگرچہ دونوں میں کچھ مناسبت پائی جاتی ہے۔ صوفی
 حسن کے ایک مجر و تصور سے عشق کرتا ہے اسے ساری کمالات
 یہ ایک ہی حسن کے مظاہر نظر آتے ہیں جگر بھی اس تصور سے کہیں
 ہر مگر ان کے یہاں حسن کے ارضی و مجازی پہلو اتنے نمایاں ہیں کہ یہ عشق
 پر چھائیں ایک عجم شعلہ بن جاتی ہے جگر کے یہاں حسن کا تصور آصف سے
 زیادہ حسنیہ کی یاد دلاتا ہے۔ حسرت نے حقیقت میں رومان تلاش کیا۔

پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے عشق کیا ہے اور اس عشق کی آغ میں
 جلنے اور پگھلنے سے ان کی آواز میں نئے اور ان کی شخصیت میں گداز
 پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے عشق نے انہیں اس دنیا کے حسن اور حسینوں
 سے عشق کرنا سکھایا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس مجازی حسن
 میں انہی گہرے ابتدائی نقوش کی وجہ سے ایک حسن حقیقی کی جھلک
 نظر آتی ہے۔ جگر جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہندوستان کے
 مسلمان مشرفاء کا وہ متوسط طبقہ ہے جو اب روز بروز بکھرنا جا رہا
 ہے اور موجودہ دور کی ہوش و باتلیخوں کی تاب نہیں لاسکتا۔ اس
 طبقے کو ماضی سے محبت، تہذیب و شرافت کی پرستش۔ ایک مذہبی
 شعور، چند اخلاقی قدیں ایک مبہم سی انسانی دوستی ورگے میں ملی تھیں۔
 جبکہ انہیں قدروں پر پلے بڑھے جوان ہوئے تو شباب کے نقائص
 اور فطرت کے مطالبے انہیں بہالے گئے۔ چنانچہ اس دور میں ان
 کی زندگی کے دو گنہ گتھے۔ جذباتی طور پر وہ شاعری اور رندی کے
 بھاری گتھے۔ ذہنی طور پر وہ اپنی چند قدروں کے دلدادہ ہیں جنہیں
 سہولت کے لئے مشرقت کہہ لیجئے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم ہوش میں مظہر
 وہ اپنی زندگی کے بڑے بھرپور اور جاندار سے بغاوت کرتے اور اپنی ذہنی
 قدروں کی طرف دسٹے نظر آتے ہیں۔ سطحی نظر سے دیکھا تو جگر کی زندان
 شاعری کے مقابلے میں ان کی موجودہ شاعری بے جان اور بھکی نظر
 آتی ہے لیکن انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی رندی و ہوش دونوں
 کی بنیادی خصوصیات کو تلاش کیا جائے اور ان میں جو وحدت ہے اسے
 نمایاں کیا جائے۔ جگر کے یہاں یہ وحدت موجود ہے۔ اس کے اوائل

اچھا اور دوسرے کو بُرا کہنے کے بجائے دونوں کے رشتے کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جگر کے عشق میں ایک تندہوت انسان کی صحت مند جسمی کشش ہے۔ مگر یہ مریض عشق نہیں ہے۔ انکی رومانیت ایک جذباتی تخیل پرست اور کمال الحسانوں کی رومانیت ہے جس انکے نزدیک محض جلوہ یا محض پردہ محض سیاہ و سفید یا محض لالہ و مغلّی اور برق و باد نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ہے اور اس کے پھر زیادہ نہ تھا۔ اب بکرمیں کو محض قافی ہی نہیں سمجھتے بلکہ لطیف بھی مانتے ہیں وہ باغی سدا کے رنگ سرخ میں مظلوم کی فریاد کا عالم دیکھ سکتے ہیں وہ جن کو اس وقت کمال حیات ہے جب اس میں عشق کی گستاخ نگاہی شامل ہو جاوے اسکا محبوب دردمند اور شغور کا بے رحم سنگدل ترک تم پیشہ نہیں ہے۔ وہ سینے میں دل اور پیلو میں جذبات رکھتا ہے۔ وہ ظلم بھی کرتا ہے اور رحم بھی بھلیاں بھی گراتا ہے سداور بھولی بھی ہر ساما ہے۔ شغف بھی ہے اور مثر میل بھی۔ آفتاب بھی ہے اور ماہتاب بھی۔ اسی وجہ سے جگر کے میاں محبت بھی محض ایک لکھ کی ذات ایک لکھ کا سلسلہ سیران ایک لکھ متناہی غم نہیں ہے۔ سب سے چاہتے اور چاہے جلتے کی لذت ہے یہ شاعر قل بھی ہے اور تلوار بھی۔ یہ انکی خوشی پر اپنے غم کو شاعر کر دینے کا نام ہے۔ اس کا عالم اسی دنیا کا عالم ہے مگر اس سے کچھ زیادہ بھی کبھی اس میں ایک اسادقت آتا ہے جب آفسوخ شکم ہو جاتے ہیں۔ مگر طغیانی نہیں جاتی کبھی صبح و شام، صبح و شام ہی نہیں معلوم ہوتے کبھی کاٹنا ایک ساغر و شاعر زندہ آتی ہے اور زندگی ایک شاعر پیغم۔ جگر کا محبت کا یہ تصور رومانی ہوتے ہوئے بھی مستند و قبیح اور لطیف ہے۔ یہ ہمارے تہذیبی تصور

کا ایک جز ہے۔ اسکے مطالعہ سے زندگی اور کائنات کی وسعتیں کم نہیں ہوتیں
 نہ زندگی بسر کر نیکا حوصلہ کم ہوتا ہے نہ زندگی اسکی وجہ سے ایک قابل قدر جز
 ہو جاتی ہے۔ تاجر کے حق و عشق میں روایت کا احترام موجود ہے مگر یہ تصور
 محض روایت نہیں ہے انکی زندگی ہے۔ یہ شوق ہوتے ہوئے بھی یا زاری
 نہیں ہے۔ یہ اخلاقی قدروں کو سمیٹ لیتا ہے مگر چند ہندو منتخب لٹکایات
 کی خشکی سے بچتا ہے۔ یہ لطیف بھی ہے اور جاندار بھی۔ اسیں مکارانہ سنیہ کی
 کم ہے مگر جذبات کی گہرائی نے اسے وہ تیز نشہ عطا کیا ہے کہ اس کا اثر
 دیر تک زائلی نہیں ہوتا

مفکرانہ سنجیدگی اور جذباتی سیلاب دونوں سے غزل میں کام لیا گیا ہے
 لیکن یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ غزل کا آرٹ دوسری چیز کیلئے زیادہ موزوں
 ہے۔ غالب سے پہلے غزل میں تعزل، حدیث، بری یا سافرت رکاز کا زیادہ
 تھا غالب نے اسد شاعری کو ایک ہنر یا اور غزل کی رمزیت کو کائنات کے
 رموز و اسرار سے آشنا کیا۔ غالب سے غزل کو فائدہ بھی ہوا مگر غزل کی پوری
 تاریخ پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ غزل کی اُلی روایت میر کی روایت
 ہے۔ یہاں سسٹم اہم نہیں ہے کہ خود غزل موجودہ دور کے مزاج کی عکاسی
 اور اسکی ذہنی قیادت کیلئے کسی قدر موزوں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا
 ہے کہ غزل کی تاریخ، اسکی روایت، اسکے مختلف موٹا اسکے رنگ و آہنگ
 کیا ظاہر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزل
 ہماری صدیوں کی تہذیب کی سب سے اچھی نمائندگی کرتی ہے غزل کے اشارے

غزل میں کھو جانے اور کچھ پا جانے کے انداز، غزل کی لطیف اور صندلی
 فضا میں اسکی نفاست اور بے پروائی کی روانی، ایک کچھ اور تہذیب کی
 پختگی کی علامت ہرچ غزل کا نیم و شیشہ صندلی سے نکلتے والے قدموں کے
 ہنسیک اور تاریکی نصوص سے ناواقف ہیں مجھے یہاں یہ کہنا نہیں ہے کہ
 ہماری گذشتہ تہذیب موجودہ تہذیب و تمدن سے بہتر یا بدتر ہے۔ بلکہ
 تہذیب یہ یاد دلانا ہے کہ غزل ہمدی جاتی ہوئی کچھ کا عطر اور روح ہے
 اور اس کچھ کی سب سے اچھی نمائندگی کرتی ہے۔ تہذیب جن قدموں کی علامت
 ہے غزل میں سب سے سبک گئی ہیں اس کچھ کا زور غزل خوشحال طبقہ کی یاد دلانا
 ہے جو زندگی کے مسائل کو اشعاروں اشعاروں میں بیان کرتا ہے جسکے سامنے
 زندگی کے سخت سے سخت مسائل لطیف اور نازک ہو کر رہے ہیں۔ عشق
 یہاں محض علامات نہیں ہیں زندگی ہیں اگرچہ زندگی کے ایک چھوٹے سے گوشے
 سے متعلق ہیں یہاں شعر و شاعری کا مقصد نہیں ہے اور اگر ہے تو ذہن کی
 آسورگی اور تانگی دینا۔ یہاں زندگی و احتساب کا تذکرہ شعر و شاعری کی دنیا
 میں اپنے لئے وہ آزادی تلاش کرنا ہے جو زندگی میں محض یہی بندشوں کی
 وجہ سے نہیں ملتی۔ یہ تہذیب بے شب کی بعض قدموں کا احترام کرتی ہے مگر
 مذہبی نہیں ہے۔ اس نے اسلام کے ساتھ کچھ کم کھینچ لیا ہے نیل کیا ہے اور
 ریزہ کلیسا کو محض یوں ہی نہیں جوتا ہے۔ اگر بے لگ اور سائیکس نظر سے
 دیکھا جائے تو غزل میں ہمدی ہندوستانی تہذیب قدموں کی صدیوں کی داستان
 ملتی ہے۔ یہ تہذیب ایران و توران سے بعض نام

یعنی ہے اور

کیوں نہ یعنی جب وہاں کے لالہ زادوں کے بھولوں سے یہ بھی اپنے نگار
خانوں کو سجاتی رہی تھی مگر یہ ہے ہندوستانی اور ہندوستانی کی آب و ہوا
اس کے مزاج اسکی قوی خصوصیات کی علم بردار، اس غزل اور اسکی نمائندہ
تہذیب کے لئے موجودہ مغربی اور سائنس کا تہذیب یقیناً ایک خطرہ ہے لیکن
اس وجہ سے ہمیں موجودہ غزل گو شعرا کی مدایات اور انکے مخصوص طرز فکر کو
فطرانہ از نہیں کرنا چاہیے تبصر کی شاعری کے مطالعہ کی وقت پہلے یہ رسومات
رکھنے چاہئیں کہ غزل احشاء حیاں اور ہر اگہ کی تو ترقی دیتی ہے یا غزل "اخ
اور روشن طیالات سے دور رہی ہے۔ پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ جگر کے پر
کوئی منفرد کائنات، کوئی انوکھی آواز، کوئی ہم نقش ایسا بھی ہے جو اس سے
پہلے یا تو۔ ہو یا الکی وجہ سے روش ہو گیا ہو۔ اسکے بعد اس نقش کی رہائی
اور حسن اور ساری میں اسکی اہمیت کا۔ دل آئیکہ تجر کا غزل غزل کا جہاں
بہانا غزل ہے۔ حیاں یا البال کے تجربات غزل کی شاعری میں آئے ہیں
کی زیادہ گہنی کٹ نہیں جگر جس ماحول و ربطہ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ
داع، امیر اللہ تسلیم اور دتسا کا ماحول ہے۔ یہ اپنی مدایات کا احترام کرتا
ہے مگر اپنے نشانے کی زندگی اور اس کے حسن کا، داستان بھی ہے۔ یہ نہ
صوفیوں کی طرح دنیا کو بچ دینا چاہتا ہے اور نہ حکیموں اور فلسفیوں کی
طرح پہیلیاں کھراتا ہے۔ یہ حسن اور جمال کا اس وجہ سے اور بھی دل داد
ہے کہ اس میں ذہنی تسکین کا سارا سامان موجود ہے تبصر کی شاعری کا
مطالعہ میر، مومن، اخترت، داع کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ لیکن انصاف کا

تقاضہ یہ ہے کہ جگر کی آواز اس برادری میں صرف ایک ہلکی سی آواز باز نہیں ہے۔ اپنی سنے اور اپنا زہد دوم بھی رکھتی ہے۔

جگر کی مقبولیت اور شہرت کو عام طور سے نقادوں نے تسلیم کیا ہے ان کے غزل ان کی دہندی وستی، انکے لطیف اشارات اور دلکش کنایات، انکی حسن پرستی اور حسن کاری سے کسی کو انکار نہیں لیکن نگار کے نقاد نے انکے یہاں دعوت فکر اور دعوت کام و دہن یادہ پای ہے۔ ”مجھوں نے انہیں شاعر کا شاعر بتایا ہے اور انکی شاعری کو ہلکی پھلکی جذباتی شاعری قرار دیا ہے۔ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ ان اشخاص نے غزل کے فن اور مزاج اسکی تاریخ اور اس کی روایات کو نظر انداز کیا ہے۔ کوئی بھی ادبی صنف تجربات کے لئے اپنا دامن وسیع رکھنے کے بلو جو را اپنی روایت اور تاریخ سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ غزل میں فکر کے لئے گنجائش ہے مگر اسے جذبہ بیکر آنا چاہیے اور میرا خیال یہ ہے کہ اچھی اور سچی شاعری میں بھی محض فکر سے کام نہیں چلتا۔ اسے جذباتی گرمی چاہئے غزل میں غالب نے سب سے پہلے فکر کو جگہ دی مگر غزل میں اس مشکلانہ سنجیدگی کی گنجائش نہیں ہے جو نظم کیلئے موزوں ہے۔ غالب، حالی اور اقبال کے چند تجربات کے باوجود اچھی غزل میں لطیف اشارے ضروری ہیں غزل پر چھائیوں سے روشن ہے اسد ان کی دھوپ پسند زمین ہماری شاعری کی صمیمیتوں اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آواز اور حالی کے بعد سے ہمارے یہاں نظم کے ذریعے سے سنجیدہ مقصدی شاعری کی گئی ہے نظم کی قیصر اس کا ربط و تسلسل اسکی آزاد فضا بڑے سے بڑے اور گہرے سے گہرے خیال کو تفصیل

سے بیان کرنے کی صلاحیت کہتے ہیں غزل کے اشارات اسکی جلتی پھرتی تصویریں
 ہمدی معلومات میں اضافہ نہیں کر سکتیں ہمارے جذبات میں گرمی و لطافت پیدا
 کر سکتی ہیں نگار کے نقاد کا خیال ہے کہ مستقبل کی زندگی غزل کی آواز پر آواز
 دینکی یہیں اتنا خوش فہم نہیں ہوں میرا خیال ہے کہ غزل کے آرٹ کو آپ، فنوڈا
 بہت بدل سکتے ہیں مگر اسے نظم نہیں بنا سکتے نہ بنا نا چاہئے۔ ہاں غزل کے اثر
 سے نظموں میں تعمیر اور سس کا طون امر سکتے ہیں۔ اقبالی کی بہت سی شہرہ نظموں میں
 یہ اثر موجود ہے شمع و شاعر جو بانگ درا کی مشہور نظموں میں ہے اس کو بھی
 طرح ظاہر کرتی ہے۔ خضر راہ سے اقبالی نے صحیح معنی میں نظم کہنی سیکھی جو
 کی نظموں میں اب بھی غزل کے اشارات ملتے ہیں۔ وہ سران اور سانس خیالات میں
 نہیں کہتے مختلف تصویروں کی کثرت ہی ذہن پر ایک نمدی اثر چھوڑ جاتے ہیں۔
 انکی کئی اچھی نظموں میں ایک یہی خیال کو مختلف پہلوؤں پر نہایت بہترین استعمال
 سے ادا کیا گیا ہے۔ خیال میں ترقی یا جامعیت نہیں ہے۔ اقبالی یا جوس کا اثر
 اسلئے دی گئی ہے کہ غزل اور نظم دونوں میں ایک ہی فن تلاش نہیں کرنا چاہئے غزل
 کا آرٹ ایک مخصوص تہذیب میں پختہ ہوا ہے اس آرٹ کیلئے ایک روئے مستقبل
 کی پیشگیوی کرنا اس مستقبل کے روشن ہونے کی اچھی دلیل نہیں ہے اور نہ جینگیوی
 کی علامت اچھی چیز ہے۔ تانی اور جگر جب غزل اور نظم میں فرق کرتے ہیں اور غزل
 کہنے والے کو شاعر اور نظم کے پرستار کو ناظم کہتے تو وہ دونوں کے ہمدی فرق کو
 واضح کرنے میں غلطی نہیں کرتے۔ غلطی وہ غزل کے شاعر کو ترجیح دینے میں کہتے ہیں نظم
 کہنے والا غزل گو شاعر سے کسی طرح کم درجے کا شاعر نہیں ہے بلکہ اگر غزل سے

دیکھا جائے تو وہ اپنے جدید ذہن اور نئے ادبی شعور کی وجہ سے غزلی سے بہتر صانع اور ترقی یافتہ مصنف کا علمبردار ہے۔ غزل کے ذریعہ ہم موجود ہنسلوں کی ذہنی عکاسی تو کر سکتے ہیں مگر اسکی قیادت نہیں کر سکتے۔ نظم اس ذہنی قیادت کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ ادب کو ہم زندگی کا آئینہ ہی نہیں سمجھتے زندگی کو سدھارنے اور سزا دینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہم شاعری کو پیغمبری مانتے ہیں۔ غزل میں پیغمبری ممکن ہے مگر اس کیلئے نظم کی دھتیں اور گرائیماں مادہ موزوں ہیں۔ غزل کے شاعر کا یہ وجود رکھا جائے تو یہ اسے نہیں اٹھا سکے گا۔ وہ بعض مخصوص لمحات میں بعض اشعار کے درجے سے پیغمبری تک پہنچ سکتا ہے مگر اس کا آرٹ اسے زیادہ دیر تک اس جہندی پر نہیں پہنچے دیکھا۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ وہ اچھا آئینہ ہے۔ آئینہ کی اہمیت سے انکار کرنا بھی کفر ہے اور آئینہ کو انجمن سمجھنا بھی۔

اس نئے جگر کی ساعی میں اگر دعوت نہ کر کہہ ہے تو اس وجہ سے کہ وہ غزلی کے شاعر ہیں۔ وہ اپنی ذہنی کی وجہ سے زندہ رہیں گے۔ اپنی نظمیں کی وجہ سے نہیں۔ انکے مزاج یہ اور انہم۔ کہ فن میں سب سے بہتر ہے۔ اسی وجہ سے انکی نظمیں غزل کی خوبیاں اور خامیاں ملتی ہیں۔ دعوت فکر نے قافی کی یا سیات کو قسوت بنادیا۔ متر نے اس فکر سے پناہ دہن بچا یا۔ اسی وجہ سے تیر قافی کا سا مہذب شعور نہ رکھتے ہوئے بھی قافی سے بڑے شاعر ہیں اور جگر کی غزل قافی کی گہرائی انکی انفرادیت انکی فطرت کو نہ پہنچتے ہوئے بھی ہمارے لئے زیادہ جھٹکا رنگیں دلکش اور جاندار ہے۔ قافی کی طرح جگر نے کبھی موت کو امین نہیں سمجھا۔ انہوں نے کبھی شبہ کی پرستاری نہیں کی۔ انہیں نہ رنم سے محبت کبھی نہیں ہوئی۔ عرفان غم سے

ہوئی مختصر کی لطافت، انکی روح نشاط ان کا انبساط ذہنی جو ہمیں اس دنیا اور اسکی لطیف مادیت سے الگ کرتا ہے جگر کے بس کی بات نہیں ہے۔ جگر جب مختصر کی تقلید کرتے ہیں تو وہ اپنی عظمت کو نہیں سمجھتے۔ مختصر کی لطافت، آواز پنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسکے لئے ایک بچے ہندوستانی کے علاوہ کھوٹے سے مادہ رائی انداز نظر کی بھی ضرورت ہے۔ جگر کی شاعری پڑھے لکھے آدم کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ انکے جذبات کی دھڑکن اس میں موجود ہے۔ انکی داستانِ حیات کے نقوش اس میں بکھرے پڑے ہیں۔ انکی محرومیوں اور کامیابیوں، انکے جین و جنم سے اس میں زندگی آئی ہے۔ جگر کے یہاں جو لذت ہے وہ داغ سے زیادہ مہلک ہے اور موت سے کم نقاب پوش۔ اس میں لذت پرستی کی تلمیحیں ہیں۔ زندگی اور اس کے حسن کی چاشنی ہے۔ مجنوں سے جس کو ہلکی چھٹی و زمانہ شاعر کہا ہے۔ ان کی کم سہی مگر لطافت کی کمی نہیں غزل دراصل ان کی طبیعت ہی ہے۔ تبصرے کے یہاں جو رنگ و عطر یا رنگ و عطر ہے اسے بھی میں بڑی چیز نہیں سمجھتا۔ ترقی پسندوں کے ایک بہت بڑے شاعر سے میں جو دسمبر ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ میں ہوا تھا جگر کی ایک غزل کے سامنے درمیر سے شعرا کی فطرتیں اور غزلیں بلاوجہ ماند نہیں پڑ گئی تھیں۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے۔

شکر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل

شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آج کل

اس غزل میں جسے نظم سمجھا گیا ہے جگر نے ایک نئے ذہن احساس کا ثبوت دیا ہے۔ غزل کی پختگی اور جذباتی طوفانوں کے نظروں نے جگر کو فرار نہیں رکھا۔ اسے زندگی کے

دکھ دو سو قریب کر دیا۔ انکے غم میں غم زمانہ آگیا۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔
 جگر جدید نہیں ہیں وہ ایک معنی میں ابدی (AGELESS) ہیں اس کا یہ
 مطلب نہیں کہ جگر کی تدریں ابدی ہیں یا میں ابدی قدروں کا قائل ہوں اس کا مطلب
 یہ ہے کہ جگر میں جذبات کو متاثر کرتے ہیں جن تاروں کو چھیڑتے ہیں جو نغمہ الاپتے
 ہیں اسکی نغمگی بڑی دیر پا اور پائدار چیز ہے۔ میں اس بات کو ایک مثال سے
 واضح کر دوں۔ فراق کی عزل جدید حساس میں جدید ذہن کی کار فرمائی ملتی
 ہے اس سے غزل میں ایک خوشگوار جاذبہ ہوا ہے جو موجودہ دور اسکی الجھنوں
 اور اسکی منزلوں کو جانتے اندر سمجھتے ہیں وہ غزل کو ایک نیا احساس بھی دیتے ہیں
 جگر انکے یہاں اتار چڑھاؤ بہت ہے پست و بلند انکے یہاں زیادہ میں ہوا کی
 کم ہے مگر تغزل کے لحاظ سے جگر ان سے بہتر ہیں۔ فراق نے غزل کو جدید ذہن
 دیا جدید ذہن کو خوشگوار اور ہم آہنگی چاؤ نہیں یا جگر کے یہاں ایک ہم آہنگی
 اور رچی ہوئی کیفیت ملتی ہے جو جدید نہ بھی مہذب حساس اور بیدار ہے۔ فراق
 کی زبان میں وہ روانی اور وہ نکھری سقری کیفیت نہیں ہے جو مثلاً جذباتی، مجاز، تخیل
 کی غزلوں میں ملتی ہے جدید اور قدیم کی خوشگوار آمیزش غزل میں معمولی کام نہیں
 ہے۔ اس میں خون جگر پینا پڑتا ہے غزل میں فراق کی اہمیت مسلم ہے مگر وہ دھلی
 دھلائی چاندنی جو جگر کے اشعار میں ہے فراق کے یہاں نہیں۔
 جگر کے یہاں تغزل اور سستی کی طرف میں اشارہ کر چکا ہوں لیکن تغزل اور
 سستی تو دوسروں کے یہاں بھی ہے۔ آخر جگر کی انفرادیت کیا ہے؟ جگر کی اپنی آواز
 کوئی ہے وہ نغمہ فراہم، وہ نے کیا ہے جسے ہم ہزاروں آہٹوں اور گردنوں

میں پہچان لیں، جبکہ نے عشق کی انا نیت اور خود اسی پر بار بار زور دیا ہے۔
 جبکہ کے یہاں کبھی کبھار عاشق خود محبوب بن گیا ہے۔ یہ دو اصل ذہن کا وہ علاوہ ہے۔
 حیل کا وہ طلسم ہے جس میں کبھی کبھار عاشق اور شاعر اسیر ہو جاتا ہے، اس قسم کے
 اشعار کافی ہیں مگر جبکہ کا بڑا کارنامہ نہیں ہے۔ جبکہ کے یہاں عشق کی نفسیات
 بھی ملتی ہے، توجہ بے نہایت اور فطر کم، تسکین ہے اور تسکین نہیں آرام ہے اور
 آرام نہیں وہ آنسو جو نظر نہیں آتے جبکہ کی داستان کو عام انسانی تجربے کے ساتھ
 روح انسانی کی مخصوص کیفیات سے بھی آشت ثابت کرتے ہیں پھر بھی جبکہ
 کے اصلی رنگ کو گھنے کے لئے ان کے چند اشعار دیکھئے۔

حسن کے ہر جمال میں نہاں میری روحانی خیال بھی ہے
 ناک سی توجہ میں اشارات کے دفتر، ہلکے سے تبسم میں کنایات کا عالم
 تو جنبت کو لا نزال بنا، زندگی کو اگر حسیں ہے ثبات
 اسے کمال سخن کے دروازے، ماسطے سخن بھی ہر اک بات
 آغوشی نہیں ہے آنکھ، گلاس کے مڈبہ نادیدہ اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
 حسین و سادہ ہے کس رچہ نظریات شاعر، ہنسے تو غیر دلی، رو پرے تو تبسم ہے
 اللہ سے بے بسی کہ غم روزگار بھی بیٹھا ہوں ترے غم کے برابر نے ہوئے
 ہر شیئر لئے نگاہ ستم آشنا کے دست دل بھی ہے اک لطیف مافشر لئے ہوئے
 وہ بید دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تاک نہیں ہوتی
 وہ لڑ لڑ دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی
 اللہ جستی شاعر! قلب غمہ کا، آنکھ شبہ کی

جگر کی شاعری یہی ہے۔ جگر نے اردو غزل کی ساری صالح روایات
 جذب کر کے انہیں ایک لطیف تبسم اور دلکش ریز بنا دیا ہے۔ اسکی مغویت
 رمزیت اور تاثیر متیرا سوز، داغ، حسرت سے آشنا ہونے کے بغیر واضح
 نہیں ہوتی مگر ان روایات کے ساتھ اور ان کے باوجود ایک نئی صحت
 شگفتہ اور پرکینہ اشاریت رکھتی ہے جس کی اپنی ہے حسرت و جگر
 سے عزل کو وہ سرسستی واپس مل گئی جو زندگی کی تلخیوں میں کھو گئی تھی۔ وہ
 کیف و انبساط پھر بلا تھک آگیا جو زندگی کی روح ہے اور جس کی وجہ سے
 زندگی روشن اور گوارا ہے۔ جگر، داغ و حسرت دونوں سے زیادہ مہذب اور
 لطیف تغزل رکھتے ہیں حسرت کی شاعری میں زندگی ہے جگر کی زندگی میں
 شاعری جگر کے یہاں محبت کا تصور ایک پاکیزہ اور لطیف تصور ہے مگر وہ
 تصور زندگی سے دور نہیں لیجانا۔ زندگی کا یہ حاصلہ عطا کرتا ہے جگر کا جنو
 حوصلہ اور جدوجہد کھانا ہے جگر کے شبستان میں محبوب کے لطف و کرم سے
 روشنی ہے۔ جگر نے خود بھی محبت کی ہے اور ان سے بھی محبت کی گئی ہے۔
 جگر کے لطیف فستروں سے لطف اٹھانے کیلئے اردو شاعری کی رمزیت اور
 اشاریت کا علم ضروری ہے جگر کے روحانی تصور سے حقیقت رنگین ہو جاتی ہے۔
 وہ زندگی کو ہاں کہتے ہیں نہیں نہیں کہتے۔ انکے تصوف اور انکی مشرقیت کو
 نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مگر سب سے زیادہ اہم ان کی مہذب زندگی ہے۔
 اس زندگی کی وجہ سے دیر و حرم کے بجائے وہ میکہ سے ہیں شاہ لیتے
 ہیں۔ اسی کی وجہ سے وہ اپنے دور کے اہم واقعات سے مشاطہ ہوتے ہیں

اور بنگال، چھرا، تقسیم ہند کے بعد ملک کے فسادات اور ہندوستان میں موجود حکومت کے قول و فعل میں تضاد سے کڑھتے ہیں یہ معمولی بات نہیں ہے کہ غزل کا شاعر ملک کے ان حالات سے متاثر ہوا ہے۔ ان کا یہ شعر بول ہی نہیں ہے۔ ترقی کے وعدوں اور فتنہ کی زندگی پر ٹیپی بھی طر ہے۔ زمانہ گرم رفتار ترقی ہونا چاہتا ہے۔

مگر اک چشم سنا ہے کہ پر غم جوتی جاتی ہے
وہ جب بکھتے ہیں کہ دلوں کی جراحاتوں کے چمن کھلے ہوئے ہیں تو
فریاد کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ملک میں سنگ نظریٰ منافقت، جہاں
تعصب سے بیزار ہیں، پیشمی آنکھ شعلے نہیں پیدا کر سکتی۔ اسے نفرت عزیز نہیں
گلشن پرست ہے اور کانٹوں سے بھی نباہ کرنا جانتی ہے۔ یہ یاروں
کی بار ہے اور اس کا مسلک محبت ہے۔ یہ اپنی بہادری سے مایوس
ہیں ہے (۱)۔ اس کا اشارہ یہ ہے :-

چمن کے مالی و گر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی،
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سرور و عیشی بہار اب بھی

سی محبت اور رندی نے ان سے کہلوا یا ہے :-

یہی زمیں راسخوں ہی ترا دینا اسی زمیں سے تو مہر و ماہ پیدا کر
میں صاف صاف کہوں کہ ہے فرق مجھ میں تجھ میں !

ترا درد در دہنہا، مرا غم غنیم زمانہ

جنوں کی بے سرو سامانیوں پر خنک اگر جنوں ہے سلامت، ہزار ہا دامن

کھلا ہائے نساں تو کیا اس سے حاصل کہ خود زندگی بن گئی ہے قیدِ فنا ہے
 جگرِ زشتہ دس سال سے اپنے قہرِ نور میں بند نہیں ہے۔ انہوں نے
 اس زندگی کے نور و نثار کو بھی دیکھا ہے۔ اسکی گرمی اور روشنی، اسکی تلخی اور
 بے مری کو بھی محسوس کیا۔ جگر کا دل صبح جگر پر ہے۔ اگر ان کو مخصوص ہونے
 کے علاوہ دوسرے ابوابِ فکر و نظر سے ملنے کا موقع ملتا۔ اگر وہ گونڈے
 کے سر و بے رنگ ماحول کے بجائے کسی بڑے شہر کے رفاں دواں عالم
 ادبی ماحول میں ہوتے، اگر موجودہ تحریکات کے اثر کو شاعر کی طرح قبول کرنے
 کے بجائے ایک انسانی حیثیت سے قبول کرتے تو ان کے ذہن کو نوا و جلا ہوتا
 انکے بیان ان کے دور کی روح اور زیادہ جھلکتی، نئی نسلوں کو وہ اور زیادہ
 بگھنے اور نئی نسلیں انہیں اور اپنے سے قریب پاتیں۔ لیکن ان باتوں کے باوجود
 یہ واقعہ ہے کہ جگر کے لطیف اشعار اور حدیثِ لبری میں ہماری موجودہ زندگی پر
 نقش و نگار ملتے ہیں۔ انکی محبت شاخ گل بھی ہے اور تلخار بھی۔ میں نے جگر کے
 اشعار کا زیادہ انتخاب کرنے سے قصداً احتراز کیا ہے۔ اس مقدمہ کا مقصد
 کی شاعری کے مقام اور اہمیت کا تعین ہے لیکن آخر میں ان نشستوں کی طرف
 اشارہ کرنا ضروری ہے جو اردو غزل کے ہر مکتبہ کی مختصر انتخاب میں بھی جگہ
 سکتے ہیں۔

گداؤ عشق نہیں کم جو میں جوانِ بے
 دی ہے آگ، مگر آگ میں دھواں نہ
 ہو آتا نہیں کھنچ کر مڑتک نہ آئے گی بہارِ آب کی برس کیا
 جب کوئی حسیں ہوتا ہے سرگرم فوائد اس وقت وہ کچھ اور بھی کہتی ہیں سوایا

کیا مطلقہ کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں کچھ کوی بھولی ہوئی خاموش اپنی ادا یاد
 بیٹھے ہیں بزم دوست میں گشتگانِ حسن دوست
 عشق ہے اور طلب نہیں نغمہ ہے اور صدا نہیں
 اچھی نہیں نگاہ مگر ان کے مود نادیدہ اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
 یوں زندگی گزار رہا ہوں ترسے بغیر جیسے کوی گماہ کئے جا رہا ہوں میں
 بے کیف دل ہے اور جسے جا رہا ہوں غالی ہے شیشہ اور پے جا رہا ہوں میں
 وہ دل کہاں ہے تاکہ جسے پیار کچھ مجبوریاں میں ساتھ دے جا رہا ہوں میں
 چس ہے کیا یہ عشق ہے کیا کسکو ہے خراس کی لیکن
 بے جام ظہور بادہ نہیں بے بارہ فروغ جام نہیں
 صد عشرت نگاہ سلسل خوشانصیب لیکن لطافت گمہ مختصر کہاں
 جو میں خاص چشم و چراغ محبت وہ آنسو نہیں ہیں نظر آنے والے
 محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گندتا ہے
 کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی
 دکھ آفتاب پاس سے ہو کر گزرتے ہیں منتظرِ حسن انتظارِ حسن دیکھتے رہے
 ترسے بغیر رونق دیو اندر کہاں شام دھڑکا نام ہے شام و سحر کہاں
 عرصہ وفا کہ رسم محبت بدل گئی دامن سے اب معاملہ چشم ترک کیا
 وہ ہزار دشمن ہاں سہی کچھ پھر بھی خیر عزیز ہے
 جسے خاک پا تری چھو گئی وہ میرا بھی ہو تو میرا نہیں
 رشتہ صاف کا قول ہے کہ کوی نامعقول انسان معقول شاعر نہیں ہو سکتا

بات صحیح ہے لیکن سارا پھر معقولیت اور نامعقولیت کے تقیین کا ہے۔ رشید صاحب
 معقول اور نامعقول کا درخصی اور محدود اور بندھا ٹکنا تصور کرتے ہیں اس سے
 اضافی سمجھتا ہوں ممکن ہے کوئی شخص بڑا معقول باتیں کہتا ہو یا وہ خود نامعقول ہو
 لیکن اسکی شاعری میں معقولیت ہو۔ بہر حال جگر صاحبہ ایک یا کثیرہ شخصیت ایک حساس
 دل ایک درد منہ نگاہ رکھتے ہیں انکی شاعری میں خلوص ہے انکی شاعری کے مطالعے
 کے بعد زندگی کا نقشہ کچھ بڑھ جاتا ہے، یہ کائنات کچھ اور حسین ہو جاتی ہے۔ حسن
 انکی شخصیت اور صداقت کی بیکری سے آیا ہے۔ جگر کے یہاں جو کچھ ہے وہ خون
 جگر سے نکھا گیا ہے یہاں خلوص بھی ہے والہانہ پن یا سیردگی بھی اور ایک آہ
 تاب بھی۔ جگر کا یہ والہانہ پن معمولی چیز نہیں ہم اس میں ڈوب کر کوئین کی بعض
 قابل قدمہ صفتوں سے آشنا ہوتے ہیں۔ جگر کا عشق کا تصور اگرچہ اقبال کے
 تصور کی گہرائی نہیں رکھتا مگر لطافت میں اقبال سے کم نہیں۔ جگر نے غزل کی لطافت
 کو قائم رکھا ہے اور اس لطافت سے اردو شاعری کے کیف و انبساط کو بڑھایا
 ہے۔ جگر کے یہاں زندگی محض روح نشاط نہیں ہے، خود نشاط ہے۔ ہماری
 جدید شاعری زندگی کے اس نشاط کو بعض حقائق کی وجہ سے کھوتی جا رہی ہے
 اور اسی وجہ سے جگر کے یہاں زندگی اور اس کے حسن کے ساتھ یہ والہانہ شغف
 ایک صحت مند علامت ہے۔ اردو شاعری کو اس کی آج بھی ضرورت ہے اور یہ
 ضرورت ہمیشہ رہے گی۔

غزلیات

(۱)

ہر حقیقت کو باندازہ تماشا دیکھا،
 خوب دیکھا ترسے جلوؤں کو مگر کیا دیکھا
 جستجو میں تری یہ حاصل سودا دیکھا
 ایک ایک ذرۂ کا آغوش طلب دیکھا
 آئینہ خانہ عالم میں کہیں کیا دیکھا
 ترسے دھوکے میں خود اپنا ہی تماشا دیکھا
 ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا
 جو یہ کہہ دے کہ ترا حسن سراپا دیکھا
 دل آگاہ میں کیا کہئے جسگر کیا دیکھا
 لہریں لیتا ہوا اک قطرے میں دیکھا
 کوئی شائستہ شایانِ غم دل نہ بلا
 ہم نے جوں بزم میں دیکھا اسے تنہا دیکھا

(۲)

یادِ سخی بجز جب وہ تصور میں آگیا!
 شعر و شہابِ حسن کا دریا بہنا گیا!
 جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آگیا،
 خود بن گیا حسینِ دو عالم پہ چھا گیا
 جو دل کا راز تھا اسے کچھ دل ہی پا گیا
 وہ کر کے بیاں نہ ہمیں سے کہا گیا
 ناصحِ فسانہ اپنا ہنسی میں اڑا گیا
 خوش فکر تھا کہ صاف یہ پہلو بچا گیا
 اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
 ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا
 دل بن گیا نگاہ، نگاہ بن گئی زبان،
 آج اک سکوتِ شوق قیامت ہی ڈھالیا
 میرا کسا لی شعر بس اتنا ہے لے جتگا
 وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا

دستاویز

کوئی جیتا، کوئی مرتا ہی رہا عشق اپنا کام کرتا ہی رہا
 جمع خاطر کوئی کرتا ہی رہا دل کا شیرازہ بھرتا ہی رہا
 غم وہ میخانہ لگی جہیں نہیں دل وہ پیار کہ بھرتا ہی رہا
 حسن تو عجب ہی گیا لیکن عشق کار مستحقانہ کرتا ہی رہا
 وہ مٹاتے ہی رہے لیکن دل نقش بن کر ابھرتا ہی رہا
 دھڑکنیں دل کی سبھی کچھ کہیں دل کو میں خاموش کرتا ہی رہا

تم نے نظریں پھیریں تو کیا ہوا
 دل میں اک نشتر اترتا ہی رہا!

(۴)

گماز عشق نہیں کم، جو میں جواں نہ رہا
 وہی ہے آگ، مگر آگ میں دھواں نہ رہا
 نہیں کہ دل مرا وقفِ غم نہاں نہ رہا
 مگر وہ شیوہ فرمودہ بسیاں نہ رہا !
 زہے وہ شوق جو پابند ایں و آں نہ رہا
 خوشادہ سجدہ جو محدود آستان نہ رہا
 حجابِ عشق کو اسے دل بہت غنیمت جان
 یہ ہے گاکیا جو یہ پردہ بھی درمیاں نہ رہا !
 چمن تو برقِ حوادث سے ہو گیا محفوظ،
 مری بلا سے اگر میرا آشتیاں نہ رہا !
 جنوں سجدہ کی معراج ہے یہی شاید،
 کہ بڑے بڑے بھوا کوئی آستان نہ رہا !
 کمالِ قرب بھی شاید ہے عینِ بعدِ جنگ
 جہاں جہاں و مڑے، میں دیاں وہاں نہ رہا

(۵)

دل کو سکون، روح کو آرام آگیا موت آگئی کہ دوست کا پیغام آگیا
 جب کوئی ذکر گردشِ ایام آگیا بے اختیار لب پہ جزا نام آگیا
 غم میں بھی وہ سرور، وہ ہنگام آگیا شاید کہ دُورِ بادِ گلخام آگیا
 دیوانگی ہو، عقل ہو، امید ہو کہ میں اچھا ہی ہے وقت پہ جو کام آگیا
 دل کے معاملات میں ناصح شکست کیا سوارِ حسن پر بھی یہ الزام آگیا
 صیادِ شادماں ہے مگر یہ تو سوچ لے میں آگیا کہ سایہ تہہ دام آگیا
 دل کو نہ پوچھو معرکہ عشق میں کیا حائے غریب کہاں کلام آگیا
 یہ کیا مقام عشق ہے ظالمِ کائناتوں اکثر ترے بغیر بھی آرام آگیا
 احباب مجھ سے قطعِ تعلق کریں جبر اب آفتابِ نیست لبِ بام آگیا

(۶)

شعر و نغمہ رنگ و نگہت، جام و صبا ہو گیا
 زندگی سے حسن نکلا اور رسوا ہو گیا !
 .. بھی آج اور بھی ہر زخم گرا ہو گیا
 بس کرا سے چشمِ پشیمان کام اپنا ہو گیا
 اس کو کیا بچے زبانِ شوق کو چپ لگ گئی
 جب یہ دل شائستہ عرضِ تنہا ہو گیا !
 اپنی اپنی وسعتِ فکر و یقین کی بات ہے
 جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اس کا ہو گیا
 ہم نے کھینے سے لگایا دل نہ اپنا بن سکا
 مسکرا کر تم نے دیکھا، دل تمہارا ہو گیا !

میں نے جس بیت پر نظر ڈالی جنوں شوق میں
 دیکھتا کیا ہوں وہ تیرا ہی سراپا ہو گیا
 اکھڑ سکا ہم سے نہ بابر التفاتِ ناز بھی ،
 مر حبا ! وہ جس کو تیرا غم گوارا ہو گیا
 وہ چمن میں جس دُش سے ہو کے گزے بے نقاب
 دفعتاً ہر ایک محل کا رنگ گہرا ہو گیا
 شمعِ جدت آئینہ حسنِ حقیقت ہے جبکہ
 قیسؔ یوانہ تھا محورِ وسعے لیے ہو گیا

(۷)

وہ بروئے دوست ہنگامِ سلام آہی گیا
 رخصت لے کر ویر و حرم، دل کا مقام آہی گیا
 منتظر کچھ رند تھے جس کے وہ جام آہی گیا
 باطل لے کر دوں کہ وقت انتقام آہی گیا
 ہر نفس خود بن کے میخانہ بہ جام آہی گیا
 توبہ جس سے کا پتی طعی وہ مقام آہی گیا
 قطعہ
 اللہ اللہ یہ مری ترک طلب کی دستیں
 رفتہ رفتہ سامنے حسن تمام آہی گیا
 اقل اول ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
 آخر آخر اک مقام بے مقام آہی گیا
 التفات چشم ساقی کی سبک تابانی نہ پوچھ
 میں کچھ جیسے تھک تاں دور جام آہی گیا

عشق کو تھا کب سے اپنی خشاک امانی کا رنج
 ناگہانی آنکھوں کو اشکوں کا سلام آہی گیا
 ہر نگہ پر بندشیں، ایک ایک نفس کی پریشیں
 ہو شیار سے عشق وہ نازک مقام آہی گیا
 اہل دنیا اور کفرانِ زمانہ تاجے۔ !
 خود زمانہ بن کے تیغ بے نیام آہی گیا
 شوق نے ہر چند صدمہ تفرقتے ڈالے مگر
 زندگی کو طرہیں دردِ ناتمام آہی گیا
 صحبت رنداں سے واعظ کچھ نہ حاصل کر سکا
 بہکا بہکا سا مگر طبعِ کلام آہی گیا
 بے جگر سٹونا پڑا تھا مدتوں سے میکہ
 پھر وہ دیا نوشِ زندگی کا کام آہی گیا

پرائے ہاتھوں جینے کی ہوس کیا	نشیمن ہی نہیں تو پھر قفس کیا !
مکان و لامکان سے بھی گزر جا	فضائے شوق میں پروازِ رخ کیا
کرمِ صیاد کے صد ہا ہیں پھر بھی	فراغِ خاطر اہل قفس کیا !
محبت سرفروشی جاں سپاری	محبت میں خیالِ پیش و پس کیا !
اجل خود زندگی سے کانپتی ہے	اجل کی زندگی پر دسترس کیا
زمانے پر قیامت بن کے چھا جا	بنا بیٹھا سہ سٹو ناں درخس کیا
قفس سے ہے اگر بیزار بلبل	تو پھر یہ شغلِ حزنِ قفس کیا !

لو آتا نہیں کھنچ کر مرہ تک !

منہ آئے گی بہار اب کی برس کیا

(۹)

یک لحظہ خوشی کا جب انخام نظر آیا
 شبِ نیم کو ہنسی آئی، دل غیظوں کا بھر آیا
 یہ کون تصور میں ہنگام سحر آیا !
 محسوس ہوا جیسے خود عرش اُتر آیا
 خیر اس کو نظر آیا، شر اس کو نظر آیا
 آئینے میں خود عکس آئینہ مگر نظر آیا
 اُس بزم سے دل لے کر کیا آج اثر آیا
 ظالم جسے سمجھے تھے مظلوم نظر آیا !
 اس جانِ تغافل نے پھر یاد کیا شاید
 پھر عہدِ محبت کا ہر نقش ابھر آیا !
 گلشن کی تباہی پر کیوں رنج کرے کوئی
 الزام جو آنا تھا دیوانوں کے سر آیا
 یہ محفل ہستی بھی کیا محفلِ ہستی ہے
 جب کوئی اٹھا پردہ میں خود ہی نظر آیا

(۱۰)

تیرا تصور شب ہمہ شب	خلوت غم بھی بزم طرب؛
دعویٰ شوق اور شکوہ لب	شرم ! دل آرام طلب؛
باتیں ہیں دو، مقصود ہے ایک	تیری طلب یا اپنی طلب؛
آہی گیا اک مست شہاب	شیشہ بدست و نغمہ بلب
حسن مکمل، جذب و گرین	عشق مسلسل، ترک و طلب
بیت گئی جو دل پہ نہ پوچھا	ہجر کی شب اور آخر شب
ترک طلب اور اطمینان	دیکھ تو میرا حسن طلب !

بائے وہ درو دل کہ جگر !

کچھ نہیں کھلتا جس کا سبب !

(۱۱)

سینے میں اگر ہو دل بیدارِ محبت
 ہر سانس ہے پیغمبرِ اسرارِ محبت
 وہ بھی ہو جاتے ہیں طر فدا پر محبت
 اچھے نظر آتے نہیں آثارِ محبت !
 ہشیار ہو لے بے خود و سرشارِ محبت
 اظہارِ محبت ! ارے اظہارِ محبت !
 تادیر نہ ہو دل بھی خبردارِ محبت !
 اک یہ بھی سیے اندازِ فنونِ کارِ محبت
 توہینِ نگاہِ کرم یارِ کساں تک !
 دم لینے دے لے لذتِ آزارِ محبت
 سب پھونک نیچے خار و خن مذہبِ ملت
 اللہ سے یک شعلہ رخسارِ محبت !

کوئین سے کیا اہل محبت کو سروکار
 کوئین ہے خود فاشیہ بردار محبت
 جو عرش کی رفعت کو بھی اس در پہ جھکا دے
 ایسا بھی کوئی جذبہ سرشار محبت !
 میں نے انہیں تار یک فضاؤں میں بھی اکڑ
 دیکھے ہیں برکتے ہوئے افوار محبت !
 ناصح کو ہے کیوں میری محبت سے سروکار
 چہرے سے تو کھلتے نہیں آثار محبت
 میں اود یہ تمکین غم عشق ارے تو !
 تو اود یہ احساس گراں بار محبت !
 اب عرض محبت کی جگر کیوں نہیں جرات
 وہ سامنے ہیں گرم ہے بازار محبت !

(۱۲)

غم ہے کہ زیۃ صناف و ذات !
 غم نہیں ہے تو آرزو نہ حیات
 نعمۂ آرزو و رقص حیات،
 سرحبا عاشقانِ خوش اوقات،
 تو محبت کو لازوال بنا !
 زندگی کو اگر نہیں ہے شبیات !
 ہم نے دیکھے ہیں جاگتے ہوئے دل
 ہم سے پوچھو ستم کے احسانات
 آرزو ہر نفس حیات و مرگ
 عاشقی بے نیاز مرگ و حیات

باتوں باتوں میں آج فوسر بزم
 کہہ گئے وہ ہر ایک دل کی بات
 آپ جو کچھ کہیں بجا، لیکن،
 آپ پر بھی ہیں چند الزامات !
 حسن ہی حسن، جیلوہ ہی جیلوہ
 اللہ اللہ ہجوم کیفیات !
 عشق وہ تشنہ کام ہے کہ جیسے،
 زہر کا گھونٹ ہے آپ حیات
 اسے کمال سخن کے دیوانے !
 " ماورا ئے سخن بھی ہے اک بات "

دنیا کے ستم یاد، نہ اپنی ہی وفا یاد
 اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد
 میں شکوہ بہ لب تھا مجھے یہ بھی نہ رہا یاد
 شاید کہ مرے بھولنے والے نے کیا یاد
 پھیرا تھا جسے پہلے پہل تیری نظر نے
 اب تک ہے وہ اک نغمہ بے ساز و صدا
 جب کوئی عین ہوتا ہے سرگرم فواہِ حش
 اس وقت وہ کچھ اور بھی آتے ہیں سوا یاد
 کیا جانے کیا ہو گیا ارہا پ جنوں کو
 مرنے کی اتنا یاد، نہ جینے کی ادا

قطعہ

مدت ہوئی اک حادثہٴ عشق کو، لیکن
 ایک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد
 ہاں تجھے کیا کام ہری رشتہٴ غم سے
 ہاں ہاں نہیں مجھ کو ترے دامن کی ہوا یاد
 میں ترکِ ہ و رسم جنوں کر بھی چکا ہٹا
 کیوں آگئی ایسے میں تری لغزش پا یاد
 کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
 کیجئے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد

(۱۴)

حسین دل، تبسم نگاہ پیدا کر!
 پھراک لطیف سی خاموش آہ پیدا کر!
 جسے ہوا سنے زمانہ کبھی بچھانہ سکے،
 قدم قدم پر وہ اک شمع راہ پیدا کر!
 خلوص عشق و یقین حیات کے ہمراہ
 جنون شوق و فسون نگاہ پیدا کر!
 رگوں میں بھر کے فروغ جمالِ اِلا اللہ
 نظر میں شعلگی لا اِلا پیدا کر!
 یہی زمیں ترا سکن، یہی تیرا مدفن!
 اسی زمین سے تو مہر و ماہ پیدا کر!

(۱۵)

شاہدِ دستانی و بہار سے دُور یعنی ہر کیف مستعار سے دُور
 تخت سے تاج و تاجدار سے دُور دُور اس دُورِ فتنہ کاذب سے دُور
 ہے خزاں اپنی ہر خزاں سے جدا ہے بہار اپنی ہر بہار سے دُور
 ستم و جورِ آسمان سے الگ کرم و لطفِ غم گسار سے دُور

قطع

خطرۂ موت اب نہ فکرِ حیات نشہ ہی نشہ ہے غمار سے دُور
 پر تو حسن ذات سے نزدیک سایہ زلفِ تابدار سے دُور
 اک حقیقتِ خیالی سے برتر اک جہاںِ چشمِ روزگار سے دُور

عشق ہے اس مقام پر کہ جہاں

حسن ہے نقصِ اعتبار سے دُور

(۱۴)

حسین دل، تبسم نگاہ پیدا کر!
 پھراک لطیف سی خاموش آہ پیدا کر!
 جسے ہوا سنے زمانہ کبھی بچھانہ سکے،
 قدم قدم پر وہ اک شمع راہ پیدا کر!
 خلوص عشق و یقین حیات کے ہمراہ
 جنونِ شوق و فسونِ نگاہ پیدا کر!
 رگوں میں بھر کے فروغِ جمالِ اِلا اللہ
 نظر میں شعلگی لا اِلا پیدا کر!
 یہی زمیں ترا سکن، یہی تیرا مدفن!
 اسی زمین سے تو مہر و ماہ پیدا کر!

(۱۵)

شاہد و ساقی و بہار سے دُور یعنی ہر کیف مستحباب سے دُور
 تخت سے تاج و تاجدار سے دُور دُور اس دُورِ فتنہ کلا سے دُور
 ہے خزاں اپنی ہر خزاں سے جدا ہے بہار اپنی ہر بہار سے دُور
 ستم و جورِ آسمان سے الگ کرم و لطفِ غم گسار سے دُور

قطع

خطرۂ موت اب نہ فکرِ حیات نشہ ہی نشہ ہے غمار سے دُور
 پر تو حسن ذات سے نزدیک سایہ زلفِ تابدار سے دُور
 اک حقیقتِ خیالی سے برتر اک جہاںِ چشمِ روزگار سے دُور

عشق ہے اس مقام پر کہ جہاں

حسن ہے نقصِ اعتبار سے دُور

(۱۶)

نغمہ ترا نفس نفس، جلوہ ترا نظر نظرا

لے میرے شاید حیات اور ابھی قریب تر
 بن گئی مستقل مذاب جان خراب شوق پہ
 خود مری کاوش نگاہ، خود مری فکر پردہ در

تیرا خلوص دلبری، جان نہ ڈال دے اگر

نالہ بھی میرا مضمحل، نغمہ بھی میرا بے اثر
 معرفت جمالی میں، کام نہ لے بال و پر

عقل کہیں نہ گر پڑی، چھوٹ گئی کہیں نظر
 یا ہمہ ذوق آگئی، ہائے سے لپٹی بشر

سامنے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر
 دیکھا ہے اک جہاں خاص میں نے کبھی بھی جگر

حسن سے بھی بلند تر، عشق سے بھی لطیف تر
 شورش درد الاماں، گردش دہرا الحذر

جھکے ہوئے سے قافلے سہمی ہوئی سی ہلکند

آہری جانِ انتظار، آمیرے آفتابِ شوق
 تیرے بغیر زندگی کب سے ہے شام بے سحر
 عرضِ نیازِ عشق کا چاہئے اور کیا صلہ !
 میں نے کہا بچشمِ تم، اُس نے سنا بچشمِ تیرے
 لاکھ بیانِ دردِ دل اک وہ تبسمِ حریف
 لاکھ فسانے شوق اک وہ نگاہِ مختصر
 مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں مقام کیا
 میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر
 حسرت سے جو نہ ہو سکا کر گئی حسرت کی اک آہ
 عشق نے توڑ دی کہاں، عقل نے ڈال دی سپر
 لاکھ ستارے ہر طرف، ظلمتِ شبِ جانِ جاں
 اک طلوعِ آفتابِ دشت و چمنِ سحرِ سحر

(۱۷)

محبت میں جگر گزرے ہیں ایسے بھی مقام اکثر
 کہ خود لینا پڑا ہے اپنے دل سے انتقام اکثر
 کہاں حسن تمام یا رو تکلیف کرم کوشی !
 بدل دیتی ہے دنیا اک نگاہ نامتام اکثر
 مری رندی بھی کیا رندی، مری مستی بھی کیاستی
 مری تو یہ بھی بن جاتی ہے سے خانہ بجام اکثر
 محبت نے اسے آغوش میں بھی پا لیا آخر
 تصود ہی میں رہتا تھا جو اک محشر حرام اکثر
 جگر ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہنگام سیہ مستی،
 نظر سے چھپ گئے ہیں ساقی و مینا و جام اکثر

(۱۸)

ہری رحمت خطا بخش و خطا پوش
 ہری جرات خطا کار و خطا کوش
 ہوا جاتا ہے دل پیاں فراموش
 کہاں ہے اے جنونِ خانہ بدوش
 یہ کہکر ہو گیا دیوانہ خاموش
 سلامِ آخری اے جنت ہوش
 خبر سے اپنی اے غارت گریہ ہوش
 ہوا جاتا ہے تو بھی خود فراموش
 یہ اعجازِ نگاہِ نازِ ساقی
 ہری ہستی ہمہ ہستی ہمہ ہوش
 اسی کو بڑھ کے ہونا ہے قیامت
 سلامت با کرامت فتنہ ہوش

وہ احساسِ شوقِ جواں اول اول!

وہ اک عالمِ گلِ فشاں اول اول!

وہ خود ساختہ اک طلسمِ تنہا!

وہ تالیف و تصنیفِ جہاں اول اول

وہ مہمِ سہا اک جہاںِ محبت،

وہ مبہم سی اک داستانِ اول اول!

تخیل میں رنگینیاں رفتہ رفتہ

تصور میں تصویرِ جہاں اول اول

وہ اک کلفتِ شادمانِ تازہ تازہ

وہ اک عشرتِ سرگراں اول اول!

مجسم وہ تصویرِ خوابِ عجمت
 وہ نظارہ ناگساں اول اول!
 وہ اک پیکرِ حسنِ معصوم و سادہ
 وہ اک جلوہ بے اماں اول اول!
 تکلم میں بے ربط سا اک تسلسل،
 خموشی میں حسنِ بیاں اول اول!
 جگر آہ انجام و آوازِ الفت،
 سکوت آخر آخر، فغاں اول اول

(۲۰)

اللہ سے اس گمشدہ ایشیاد کا عالم !
 جو صید کا عالم، وہی صیاد کا عالم !
 اُف رنگِ رُخِ باقی بیدار کا عالم
 جیسے کسی مظلوم کی فسر یاد کا عالم
 پروں سے دھڑکنے کی بھی آتی نہیں آؤ
 کیا جانیئے کیا ہے دلِ ناشاد کا عالم
 منصور تو مرفے کے سبک ہو گیا لیکن
 جلاد سے پوچھے کوئی جلاد کا عالم
 میں اور ترے ہجرِ مسلسل کی شکایت
 تیرا ہی تو عالم ہے، تری یاد کا عالم
 کیا جانیئے کیا ہے مری معراج مقامی
 عالم تو ہے صرف اک مری افتاد کا عالم
 اربابِ چین سے نہیں، پوچھو یہ چین سے
 کہتے ہیں کسے حکمتِ بر باد کا عالم
 کیوں آتشِ گلِ میرے نشیمن کو جلانے
 تناول میں ہے خود برقِ چین زاد کا عالم

(۲۱)

حسن کافر شباب کا عالم !
 سر سے پا تک شراب کا عالم !
 عسرق آلود چسپہ تاباں !
 شبہم و آفتاب کا عالم !
 وہ بری عرض اشوق بے حد پر
 کچھ حیا ، کچھ عتاب کا عالم !
 اللہ اللہ وہ امتزاج لطیف
 شوخیوں میں حجاب کا عالم !
 ہمہ نور و سرور کی دنیا !
 ہمہ حسن و شباب کا عالم !
 وہ لب جو ببار و موسم گل !
 وہ شب ماہتاب کا عالم !
 زانوئے شوق پر وہ پچھلے پسہ
 نرگس نیم خواب کا عالم !

دیر تک اختلاطِ راز و نیاز،
 یک بیک اجتنائیکہ عالم؛
 لاکھ رنگیں بیانیوں پر مری
 ایک سادہ جواب کا عالم؛

غم کی ہر موج، موج طوفاں خیز
 دل کا عالم حباب کا عالم؛
 دل مطرب کچھ سکے شاید،
 اک شکستہ ریاب کا عالم؛
 وہ سماں آج بھی ہے یاد تھرگ
 ہاں مگر جیسے خواب کا عالم؛

(۲۲)

جنوں کم، جس جو کم ہشتنگی کم، نظر آئے نہ کیوں دیا بھی شبنم
 بحمد اللہ تو ہے جس کا ہمدم کہلا اس قلوب میں گنجائش غم
 توجہ بے نہایت اور نظر کم خوشایہ التفات حسن برہم
 مری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ عالم کہ ہر عالم ہے لغز شہائے پیہم
 خطا کیونکر نہ ہوتی عاقبت سوز کہ جنت ہی نہ تھی معراج آدم
 خوشایہ نسبت حسن و محبت جہاں بیٹھے نظر آئے ہمیں ہم
 وہ اک حسن سراپا اللہ اللہ کہ جس کی ہر ادا عالم ہی عالم
 کہاں پہلوئے خورشید جہاں تاب کہاں اک نازین و شیرہ عالم

مسرت، زندگی کا دوسرا نام
 مسرت کی تمنا، مستقل غم

(۲۳)

رکھتے ہیں خضر سے نہ غرض رہتا ہے ہم
چلتے ہیں بچ کے دور ہر اک نقش پا سے ہم
مانوس ہو چلے ہیں جو دل کی صدا سے ہم
شاید کہ جی اٹھے تری آواز پا سے ہم
بے نگاہ شوق کو دے اور وسعتیں
را اٹھ جہاں جہت آشنا سے ہم
مخصوص کس کے واسطے ہے رحمت تمام
پوچھیں گے ایک دن کیسی پار سے ہم
اوسب ناز حسن تجھے کچھ خبر بھی ہے !
تجھ پر نثار ہوتے ہیں کس کس ادا سے ہم
یہ کون پھا گیا ہے دل و دیر کہ آن
اپنی نظر میں آپ ہیں آستانہ سے ہم

(۲۴)

یہ ذرے جن کو ہم خاک رہ منزل سمجھتے ہیں
 زبانِ حال رکھتے ہیں زبانِ دل سمجھتے ہیں !
 جسے سبک سن عشق کی منزل سمجھتے ہیں
 بلند اس سے بھی ہم اپنا مقام دل سمجھتے ہیں !
 حقیقت میں جو رازِ دوری منزل سمجھتے ہیں
 انہیں کو ہم سلوکِ عشق میں کامل سمجھتے ہیں !
 ہمیں کیوں وہ جھٹائے خاص کے قابل سمجھتے ہیں
 یہ رازِ دل ہے، اس کو محرابِ دل سمجھتے ہیں
 اسی اک جرمِ پراغیار میں برپا قیامت ہے
 کہ ہم بیدار ہیں اور اپنا استقبال سمجھتے ہیں
 نگاہوں میں کچھ ایسے بس گئے ہیں جس کے جلوے
 کوٹی محض ہو، لیکن ہم بڑی محض سمجھتے ہیں !

کوئی ماننے نہ مانے اسکو، لیکن یہ حقیقت ہے
 ہم اپنی زندگی میں غیب کے شامل سمجھتے ہیں !
 یہ نرم و ناتواں مجاہد خودی کا راز کیا جانیں
 قدم لیتے ہیں طوفان عظمت سے صل سمجھتے ہیں !
 حکومت کے مظالم جیسے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں
 خباہت ہم بمبئی کو کو چپہ قاتل سمجھتے ہیں !

(۲۵)

یہ تو نہیں کہ مرضِ غم درخود اعتنائیں حسن کو لیکن اے جگر فرصتِ ماسوا نہیں
 نالہ جاں فروز ہا نغمہ غمِ فزا نہیں لے دل فتنہ آفریں تمہے اگر تو کیا نہیں
 پیش نظرِ حسنِ دستِ حسن کے ماسوا نہیں عشق میں مبتلا ہوں میں شرک میں مبتلا نہیں
 غیر نے کہہ اگر کہا رنجِ کسے تیری بلا! تو ہی جو با وفا نہیں کوئی بھی با وفا نہیں
 بیٹھے ہیں ہم دوستیں گمشدگانِ حسنِ دست عشق ہی اور طلب نہیں نغمہ ہی اور صدا نہیں
 پینے سے کام ہی ہمیں میکہ حیات میں ظرفِ جدا جدا سہی اصلِ جدا جدا نہیں
 پھل لہریں تھیں وہی فرقِ نظرِ نظر کا ہے عہدِ بہار میں تھا کیا دورِ حیراں میں کیا نہیں
 پھر یہ جدا بیاں ہیں کیوں پھر یہ بایاں لیکھا عشق کی لڑا لڑا نہیں حسن سے میں جدا نہیں
 لے کے مقصدِ حیاتِ گوشہ چشمِ اقصا۔ ایک شہر تھی بہت نیم نگہ میں کیا نہیں
 اف یہ کرشمہ کارِ بیاں، طے یہ بطنِ حسنِ عشق۔ مجھ پہ کوئی نظر نہیں تیری کوئی خط نہیں
 خشک لب آ نکھ تر، واہ لے حضرتِ جبکہ!
 جیسے کہ دور کا بھی اب عشق سے واسطہ نہیں!

مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں مکمل نہیں ہے جنوںِ تجسس !
 سلسلِ جہاں درجہاں اور بھی ہیں یہیں تک نہیں عشق کی سیر گاہیں
 مردِ انجم و کہکشاں اور بھی ہیں محبت کی منزل ہی شاید نہیں ہے
 کہ جب تکھے امتحان اور بھی ہیں محبت نہیں صرف مقصودِ انسان
 محبت میں کارِ جہاں اور بھی ہیں قض توڑ کر مطمئن ہونہ بلبل
 قفسِ صورتِ آشیاں اور بھی ہیں ہستال کے حالات کہنے کے قابل
 ورائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں نہیں مختصر کچھ ہے ویکہ تک
 مری تشنہ ساما نیاں اور بھی ہیں خوشادرسِ غیرت نہ ہے عشق تھا
 وہاں ہیں نہیں ہوں جہاں اور بھی ہیں صبا خاکِ دل سے بچا اپنا دامن
 ابھی اس میں جو نگاریاں اور بھی ہیں

انہیں جب سے ہے اعتمادِ محبت
 وہ مجھ سے جگہ بدگماں اور بھی ہیں !

(۲۷)

دل میں کسی کے راہ کئے جا رہا ہوں میں
 کتنا حسین گناہ کئے جا رہا ہوں میں !
 دنیا سُدول تباہ کئے جا رہا ہوں میں
 صرف نگاہ و آہ کئے جا رہا ہوں میں !
 فروغِ عمل سیاہ کئے جا رہا ہوں میں
 رحمت کو بے پناہ کئے جا رہا ہوں میں !
 ایسی بھی اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
 ذروں کو مہر و ماہ کئے جا رہا ہوں میں !
 مجھ سے نگہوں عشق کی عظمت کو چاہا پند
 خود حسن کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں !
 دفترِ ہمایک معنی بے لفظ و صوت کا
 سادہ سی جو نگاہ کئے جا رہا ہوں میں !
 آگے قدم بڑھائیں جنہیں سو جھٹتا نہیں
 روشن چراغِ راہ کئے جا رہا ہوں میں !

معصومی جمال کو بھی چین یہ رشک ہے

ایسے بھی کچھ گناہ کئے جا رہا ہوں میں !

تنقید حسن مصلحت خاص عشق ہے

یہ جرم گاہ گاہ کئے جا رہا ہوں میں !

امحشی نہیں ہے آنکھ مگر اس کے رد برو

نادید اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں !

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز

کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں !

یوں زندگی گزار رہا ہوں تہے بغیر

جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں !

مجھ سے ادا ہوا ہے جیگر جستجو کا حق !

ہر ذمے کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں !

(۲۸)

بے کیف دل ہے اور جئے جا رہا ہوں میں
 خالی ہے شیشہ اور پئے جا رہا ہوں میں !
 پیہم جو آہ آہ کئے جا رہا ہوں میں !
 دولت ہے غم، زکوٰۃ دیئے جا رہا ہوں میں
 مجبورئی کمال محبت تو دیکھنا !
 جینا نہیں قبول جئے جا رہا ہوں میں
 وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار سمجھے
 مجبوریاں ہیں ساکھ دیئے جا رہا ہوں میں !
 رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی !
 کہنے کی بات ہے کہ جئے جا رہا ہوں میں !
 پہلے شراب زلیست تھی، اب زلیست ہے شراب
 کوئی پلا رہا ہے پئے جا رہا ہوں میں !

(۲۹)

جو مسرتوں میں غلش نہیں، جو اذیتوں میں مزا نہیں !
 ترسے حسن کا بھی قصور ہے مرے عشق ہی کی خطا نہیں !
 مرے جذبِ عشق پہ رجمتیں، مجھے بے بسی کا گلا نہیں !
 ترسے جبرِ حسن کی خیر ہو، مرے اختیار میں کیا نہیں !
 مرفوق بھی، مرا شوق بھی ہے بلندِ سطحِ غوام میں !
 ترا جبر بھی ترا وصل بھی، مے دردِ دل کی دعا نہیں !
 جسے میں بھی خود نہ بتا سکا، مرا رازِ دل ہے وہ رازِ دل !
 جسے غیر دوست سمجھ سکے، مے ساز میں وہ صدا نہیں !
 مرا نالہ ہوشِ با ہو کیا، مرا نغمہ روحِ فزا ہو کیوں !
 کہ چین میں پھون تو ہیں وہی مگران میں بٹے وفا نہیں !
 یہ طریقِ جہد ہے خوب تر، مگر آہِ واعظِ بے خبر !
 اُسے سازگار ہو زہد کیا جسے معصیت بھی روا نہیں !

مرے درویشی پر خلش کہاں مرے سوز میں تپش کہاں
 کسی ادبی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہیں
 وہ ہزار دشمن جاں سہی، مجھے غیر بھر بھی عزیز ہے
 جسے خاک پا تری چھو گئی وہ برا بھی ہو تو برا نہیں
 وہی ربط عشق و جمل ہے، ترا اور کچھ جو خیال ہے
 یہ سمجھ تجھی میں ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنس و فانیوں
 دہی میں ہوں اور وہی انجمن، مگر آج ہمارا حال کیا
 یہ گمان ہے کہ حقیقتاً کوئی اور تیرے سوا نہیں
 مرے شعر میں میں نناکتیں، مری نظم میں میں لطافتیں،
 مری فکر میں کہیں اے جگر ادیب کشف کی جانتیں!

(۳۰)

اس رخ پاژدہ نام نظر دیکھتا نہیں
 بسجی مائی فکر و نظر دیکھتا ہو نہیں
 با شربتِ اقلاتِ نظر دیکھتا ہو میں
 خود جس میں کہنہ و شکستِ غرور ہے
 ز عجبِ حالِ جذبِ محبت تو دیکھنا
 رہنا نہیں ہے عشق ہی تم سوئے جستجو
 لکھ لے کمالِ خودی کی رہتیں
 لے عشقِ شاد باش کہ آج انکو بار بار
 بھو غلامِ ناز میں صحنِ جن میں وہ
 بیزار مقامِ عشق مقامِ فنا نہیں
 شاید انہیں بھی اس کی خبر ہو نہ لے جگر
 وہ پردہ نظر جو نظر دیکھتا ہوں میں

کانٹوں کی گود میں گل تر دیکھتا نہیں
 منزلِ دانِ دانِ جدِ دیکھتا نہیں
 کوئیں اپنے زیرِ اثر دیکھتا ہوں میں
 ایسی بھی آج ایک نظر دیکھتا ہوں میں
 آہستی نہیں نگاہِ مگر دیکھتا ہوں میں
 خود جس کو بھی گرم سفر دیکھتا ہوں میں
 میرا ہی سامنے ہے جدِ دیکھتا ہو میں
 مصروفِ احتیاط نظر دیکھتا ہوں میں
 گستاخیِ نیمِ سحر دیکھتا ہوں میں
 دلیائے زندگی سے بھر دیکھتا نہیں

(۳۱)

جو عشق معتبر یہ کسی کو خبر نہیں
 ایسا بھی حسن ہے جو بقیہ نظر نہیں
 سنجیدگی ہزار ہا غم سے مفر نہیں
 دنیا اسی میں منہ ہے جو آنکھ تر نہیں
 دنیا کو دیکھ دیدہ روشن نگاہ سے
 فردوسِ زندگی ہے وبالِ نظر نہیں
 جو ہر نفس کے ساتھ شائے پیامِ دوست
 ہرگز وہ میری شام وہ میری سحر نہیں
 یہ شریکیں نگاہ یہ انکارِ مضمحل
 پھر کیا ہے شرافِ محبت اگر نہیں
 وہ کونسی نظر ہے جو پہلی نظر نہیں
 طولِ غم حیات کو گہرا لے جگر
 ایسی بھی کوئی شام ہے جسکی سحر نہیں
 بھوپال اگرچہ خلدِ بدامن ہے لے جگر
 دل کیا شگفتہ ہو کہ نسیمِ جگر نہیں

(۳۲)

محبت میں یہ کیا مقام آرہے ہیں
 کہ منزل پہ ہیں، اور چلے جا رہے ہیں
 یہ کہہ کہہ کے ہم دل کو ہلا رہے ہیں
 وہ اب چل چکے ہیں وہ اب آئے ہیں
 وہ از خود ہی تادم ہوئے جا رہے ہیں
 خدا جانے کیا کیا خیال آرہے ہیں
 ہمارے ہی دل سے منے ان کے پوچھو
 وہ دھوکے جو دانستہ ہم کھا رہے ہیں
 جفا کرنے والوں کو کیا ہو گیا ہے
 وفا کر کے بھی ہم تو شرمائے ہیں!
 وہ عالم ہے اب یارو اعیار کیسے
 ہمیں اپنے دشمن ہوئے جا رہے ہیں
 مزاج گرامی کی ہو خیر یا رب!
 کئی دن سے اکڑوہ یاد آرہے ہیں

(۳۳)

کہاں کے لالہ و گل، کیا بہار تو بہ شکن
 کھلے ہوئے ہیں دل کی جراحتوں کے چمن
 یہ کس غضب کی محبت نے ڈال دی الجھن
 نہ ضبطِ شوق کا یا رنہ تابِ عرضِ سخن !
 خلوص شوق، نہ جوشِ عمل، نہ دردِ وطن
 یہ زندگی ہے خدا یا کہ زندگی کا کفن !
 جہاں اس گل چھپائے گی کیا بہار چمن !
 گلوں سے دبے سکی جلی ہوئے پیرا من
 وطن ہی جب نہیں اپنا تو پھر کہاں کا وطن
 جہاں اجاڑ رہا ہوں مگر برائے چمن !
 غضب ہے قہر ہے انسان کی بوائے بھی
 خود اپنا دوست بہت کم زیادہ تر دشمن
 یہ مرحلہ بھی مری جیروں نے دیکھ لیا !
 بہار میرے لئے اور میں تھی دامن !
 مرا شعور محبت ہے کس لئے ہمہ گوش
 اگر نہیں مری جانب کسی کا روئے سخن

ابھی ہے دل کو مقام سپردگی سے گریز
 اک اور بھی سہی گیسوئے عنبریں میں شکنہ
 بہ ہوش باش کہ وہ انقلاب آ پھنچا
 میں سنایا ہوں دل سنگ و سخت کی دھڑکا
 خرد حقیقت چالاک چست و سست خرام
 جنوں صداقت بیباک مصلحت دشمن
 حضور دوست یہی جسم زندگی نکلا
 جناب شیخ کو بقا زعم پا کی دامن
 جہان حسن کو بھی جس نے کر دیا بیدار
 خوشا وہ سینہ اہل فدا کی دھڑکن
 ہر ایک لحظہ ہے درپیش کارزار حیات
 سکوں تلاش نہ کر سکے دل سکوں دشمن
 جنوں کی بے سرو سامانیوں پہ رنج نہ کرا
 اگر جنوں ہے سلامت ہزار پا دامن
 وہی ہے روح محبت وہی ہے جہم وفا
 بدلتا رہتا ہے لیکن مذاق پیرا ہن
 مقام عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ جنگ
 کمال آگہی و سخت آگہی دشمن

(۳۴)

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بزرگ کام نہیں
 فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں
 یہ تو نے کہا کیا لے نادانِ فیاضی قدرت عام نہیں
 تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں
 یا رب یہ مقامِ عشق ہے، گودیِ دل کا کام نہیں
 تمکین ہے اور تسکین نہیں آرام ہے اور آرام نہیں
 کیوں مست شرابِ عیش و طرب تکلیفِ توجہ فرمائیں
 آوازِ شکستِ دل ہی تو ہے، آوازِ شکستِ جام نہیں
 آتا ہے جو بزمِ جاناں میں پندارِ خودی کو توڑ کے آ
 لے ہوشِ خرد کے دیوانے، یاں ہوشِ خرد کا کام نہیں

زاہد نے کچھ اس انداز سے پتی، ماساتی کی نظریں مٹنے لگیں
 مے کش یہی اُنک سمجھ تھے، شائستہ دورِ حجام نہیں؛
 عشق، اور گوارا خود کرے بے شرط شکستِ فاش اپنی
 دل کی بھی کچھ اُن کے سازش ہے تنہا یہ نظر کا کام نہیں
 سب جس کو اسیری کہتے ہیں، وہ تو ہے اسیری ہی لیکن
 وہ کون سی آزادی ہے یہاں جو آپ خود اپنا دام نہیں

(۳۵)

اب فقط بیاں سب ختم ہوئے اچیدہ دل کا کام نہیں
 اب عشق ہے خود پیغام اپنا، اب عشق کا کچھ پیغام نہیں
 اللہ کے علم و حکمت کے محدود اگر اکرام نہیں
 پر سانس کے آتے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں
 ہر خلقت اپنی نظر، ہر جنتیت نظر، ہر خارہ حاصل
 پھر بھی ہے وہ کیا شے سینے میں، ممکن ہی جسے آرام نہیں
 جس ہے کیا، یہ عشق ہے کیا؟ کس کو ہے خبر اسکی لیکن!
 بے جام ظہورِ یادہ نہیں، بے یادہ تسویرِ جام نہیں
 زاہد تھے ان سجدوں کے عوض، سب کچھ ہو مبارک تجھ کو مگر
 وہ سجدہ یہاں ہے کفرِ جہیں، جو سجدہ کہ خود انعام نہیں

دنیا یہ دکھی ہے پھر بھی مگر، ٹھک کر ہی سہی مسوجاتی ہے
 تیرے ہی مقدر میں ملے دل کیوں جتن نہیں آرام نہیں
 ایک شاید معنی و صورت کے ملنے کی تمنا سب کو ہے
 ہم اس کے ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں
 بننے کو تو سب پیٹتے ہیں جبکہ میزبانِ فطرت میں لیکن
 حروم نگاہ ساقی ہے وہ رند جو درد آستانہ میں

(۳۴)

جب تک انسان پاک طینت ہی نہیں
 علم و حکمت ، علم و حکمت ہی نہیں
 وہ محبت وہ عداوت ہی نہیں !
 زندگی میں اب صداقت ہی نہیں
 سینہ آہن بھی تھا جس سے گداز
 اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں
 آدمی کے پاس سب کچھ ہے مگر
 ایک تنہا آدمیت ہی نہیں !
 بچکے رہ جائے وہ غنچہ ہی کہاں
 گھٹ کے رہ جائے وہ لکمت ہی نہیں
 حسن کو سمجھا ہے کیا اسے بوالہوس !
 حسن معنی بھی ہے صورت ہی نہیں
 صرف نقالی ہے مغرب کی تہگر !
 شعر میں جب مشرقیت ہی نہیں !

(۳۷)

بے ربطِ حسن و عشق یہ کیفِ اشتراکِ ماں
 بھٹی زندگی عزیز، مگر اس قدر کہاں
 تیرے بغیر رونقِ دیوار و در کہاں !
 شام و سحر کا نام ہے شام و سحر کہاں
 کیا جلنے، خیال کہاں ہے، نظر کہاں
 تیری خبر کے بعد پھر اپنی خبر کہاں !
 ہر جلوہ، جمال ہے برقِ گرینہ پا !
 اے دلِ سیاں، تجلی، بارِ دگر کہاں !
 مانا کہ محتسب بھی بڑا یا شعور ہے
 لیکن اُسے نیراکتِ غم کی خبر کہاں !
 بل کر ہجومِ جلوہ میں خود جلوہ بن گئی
 پہنچا ہے کس جگہ سے مقامِ نظر کہاں
 آج اس کی میہماں ہے کل اسکی میہماں
 اس خانماں خرابِ محبت کا گھر کہاں

کہنے کو اپنی علم کی کوئی کمی نہیں
 لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں
 ترک تعلقات، کو مدت گزر چکی !
 ظالم ترے خیال سے پھر بھی مفر کہاں
 ہر اعتبار دوست پہ صدقے ہزار جاں
 لیکن وہ کیف و وعدہ نامعتبر کہاں
 حرسہ ہوا کہ رسم محبت بدل گئی !
 دامن سے وہ معاملہ چشمِ ترکہاں
 ہر گام پر ہے منزلِ فوجِ جو طلب !
 جاتا ہے سراٹھائے ہوئے بے خبر کہاں
 صد عشرت نگاہِ مسلسل خوشا نصیب
 لیکن لطافتِ نگرِ مختصر کہاں !
 ہر چہد کائناتِ دو عالم میں اے تجر
 انسان ہی ایک چیز ہے انسان مگر کہاں

(۳۸)

عشق کی بربادیوں کو رائیگاں سمجھا تھا میں
 بستیاں نکلیں جنہیں ویرانیاں سمجھا تھا میں
 بے حجابی کو حجابِ درمیاں سمجھا تھا میں
 سامنے کی بات مٹی لیکن کہاں سمجھا تھا میں
 ہر نگہ کو طبعِ نازک پر گراں سمجھا تھا میں
 وہ بھی کیا دزدتے سب اس کو بدگیاں سمجھا تھا میں
 شاد باش و زندہ باش اے عشقِ خوش سوئے میں
 تجھ سے پہلے اپنی عظمت بھی کہاں سمجھا تھا میں
 کیا خبر مٹی خود وہ نکلیں گے برا بر کے شریک
 دل کی ہر دھڑکن کو اپنی داستاں سمجھا تھا میں
 یاد آیا ہے کہ جب ذوقِ طلبِ کامل نہ تھا
 ہر غبارِ کارواں کو کارواں سمجھا تھا میں

آدمی کو آدمی سے بعد، وہ بھی کس قدر
 زندگی کو زندگی کا راز داں سمجھا تھا میں
 کیا بتاؤں کس قدر زنجیر یا ثابت ہوئے
 چند تینکے جن کو اپنا آسٹیاں سمجھا تھا میں
 زندگی نکلی مسلسل امتحاں در امتحاں
 زندگی کو داستان در داستان سمجھا تھا میں
 اس گھڑی کی شرم رکھ لے لے نگاہ ناز دوست!
 ہر نفس کو جب حیات جاوداں سمجھا تھا میں
 میری ہی تُو دادِ ہستی تھی مرے ہی سامنے
 آج تک جس کو حدیث دیگران سمجھا تھا میں
 پردہ اٹھا تو وہی صورت نظر آئی جبکہ!
 مدقوں روح القدس کو ہم زباں سمجھا تھا میں

(۳۹)

سبھی اندازِ حسنِ پایے ہیں ہم مگر سادگی کے مارے ہیں
 اس کی راتوں کا انتقام چوچھ جس نے ہنس نہیں کے گنارے ہیں
 اے سہاروں کی زندگی والو کتنے انسانی بے سہارے ہیں
 لالہ و گھل سے بچھ کو کیا نسبت نامکمل سے استعارے ہیں
 ہم تو ایڈے کیسے ہی ما بھریں گے وہ رہیں شاد جو کنا دسم میں
 شبِ فرقت بھی جگمگا اٹھی اشکِ غم ہیں کہ ماہِ پائے ہیں
 آتشِ عشق وہ جہنم ہے جس میں فردوس کے نظائے ہیں
 وہ ہیں ہیں کہ جن کے ہاتھوں نے گیسو زندگی سنوارے ہیں

حسن کی بے نوازیوں پہ نہ جا!
 بے اشارے بھی کچھ اشارے ہیں

(۴۰)

یہ صحنِ درویش، یہ لالہ و گُل ہونے دو جو دیراں ہوتے ہیں
تخریبِ جنوں کے پردے میں تعمیر کے سماں ہوتے ہیں
منڈائے ہوئے جب کے حائرِ طغوان ہی طغوان ہوتے ہیں
دیوانے کچھ آگے بڑھنے میرا رہ دستِ گریباں ہوتے ہیں
اس جہرِ طلب کی دنیا میں کیا فائدہ نمایاں ہوتے ہیں
ہم صرف شکایت کرتے ہیں؟ وہ صرف پشیمان ہوتے ہیں
بیدارِ عزائم ہوتے ہیں اسرارِ نمایاں ہوتے ہیں!
جتنے وہ ستم فرماتے ہیں سببِ عشق پہ احسان ہوتے ہیں
رندوں نے جو چھڑا زاپہ کو، ساقی نے کہا کس طغیر سے آج
اوروں کی وہ عظمت کیا جائیں کم ظرف جو انسان ہیں

خوش ہے کہ تجھ کو حاصل ہیں، میں خوش کہ مرے حقے میں نہیں،
 کام جو آساں ہوتے ہیں وہ جلوے جو اڑاں ہوتے ہیں
 سودہ ساحل تو ہے مگر، شاید یہ تجھے معلوم نہیں
 ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں
 یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع تو نہ جائے گا لیسکی
 کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں
 جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جب گرا
 جب وقت شہادت آتا ہے لکھنؤ میں قصاں ہوتے ہیں

(۴۱)

غم معتبر نہیں ہے، مکمل خوشی نہیں !
 کیا وقت ہے کہ لطف محبت میں بھی نہیں
 یہ تو نہیں کہ مجھ کو ہرے کٹی نہیں !
 لیکن ابھی نہیں ہے ساقی ابھی نہیں !
 تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے مگر ،
 دل میں نہیں اگر تو کہیں روشنی نہیں !
 واعظ اب اور کیا کہوں لیکن خطا معاف
 جو تیرے سامنے ہے حقیقت ہی نہیں
 کیا جانئے یہ کون سا عالم ہے اے جگر !
 دل مضطرب ہے اور کوئی بات بھی نہیں

(۴۲)

کوئی یہ کہہئے گلشن گلشن	لاکھ بلائیں، ایک نشیمن !
کامل رہیز قتل رہزن !	دل سادوست دل سادشمن
پھول کھلے ہیں گلشن گلشن	لیکن اپنا اپنا دامن !
عشق ہے پیارے کیل نہیں ہے	عشق ہے کار شیشہ و آہن
غیر مزاج حسن کی یارب !	تیز بہتے دل کی دھڑکن
آکہ نجاتے تجھ پر کب سے	روح ہو لاشہ جسم ہے بدن
عمریں تئیں، صدیاں گزریں	ہر وہی ابتک عقل کا بچپن !
تجھ سا حسین اور خونِ محبت	وہم ہے شاید سرخی دامن !
برقِ حوادث اللہ اللہ	جھوم رہی ہے شاخِ نشیمن
تو نے سلجھ کر کیسے باتاں	اور بڑھادی دل کی الجھن
رحمت ہو گی طالعِ عیسیٰ	رشتہ کیسے کی پائی دامن

دل کہ عجم آئینہ سماں اور وہ ظالم آئینہ دشمن
 بیٹھتے ہم ہر یزید میں لیکن جھاڑ کٹاٹھے اپنا دامن

قطعہ

ہستہ شاعر اللہ اللہ ! حسن کی منزلی عشق کا مسکن
 رنگین فطرت سادہ طبیعت فرش فیش اور عرش نشمن

قطعہ

کلام ادھورا اور آزادی ! نام بٹھے اور بھٹوٹے درشن
 شمع ہے لیکن دھندلی دھندلے سایہ ہے لیکن روشن روشن

قطعہ

کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر کون چھڑائے اپنا دامن !
 چلتی پھرتی چھاؤں ہے پیار سے کس کا صہرا کس کا گلشن !

(۷۳)

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں ہم نہیں
 ہم سہ زمانہ خود ہی زمانے سے ہم نہیں
 بے فائدہ الم نہیں، بیکار غم نہیں
 توفیق سے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں
 میری زبان شکوہ اہل ستم نہیں
 مجھ کو جگا دیا، یہی احسان کم نہیں
 یارب جو ہم درد کو سدا دوسکتیں
 دامن تو کیا ابھی مری آنکھوں میں نم نہیں
 شکوہ تو ایک چھڑ ہے لیکن حقیقتاً
 تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں
 اب عشق اس مقام پہ ہے جستجو نور
 سایہ نہیں جہاں کوئی نقیض قدم نہیں
 ملتا ہے کیوں مرہ ستم سوز گار میں
 تیرا کرم بھی خود جو شریک ستم نہیں
 زاہد کچھ اویلا ہونہ ہو بیخاں میں مگر
 کیا کم یہ ہے کہ فتنہ دیر حرم نہیں

مرگ تبگر یہ کیوں جری آنکھیں ہیں اشک سبز !
 اک ساخہ سہی، مگر اتنا اہم نہیں !

(۴۴)

عشق لامحدود جیتک رہتا ہوتا نہیں
 بیکلان ہوتا نہیں، بے انتہا ہوتا نہیں
 اس سے بڑھ کر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں
 زندگی اک عار ہے اور کیسا علو
 کوئی یہ ناصح کو گھبائے بطرز دلنشین
 وردی مسموم ہوتی جا رہی ہے کائنات
 میری عرض غم یہ وہ کتنا کسی کا غم لگے
 اس مقام قریب تک جیشت پہنچا ہے جاں
 ہر قدم کیساتھ منزل لیکن اس کا کیا علاج
 اللہ اللہ یہ کمال ارتقا جس عشق

زندگی سے زندگی کا حق ادا ہوتا نہیں
 قطرہ شمع کے جیتک قلزم آشنا ہوتا نہیں
 سبب ہو جائیں لیکن غم جدا ہوتا نہیں
 موت سے بھی ختم جن کا سلسلہ ہوتا نہیں
 عشق صادق ہو تو غم بھی بے مزہ ہوتا نہیں
 اک دل انسان مگر درد آشنا ہوتا نہیں
 حکوہ غم، شیوہ اہل وفا ہوتا نہیں
 دیدہ و دل کا بھی اکثر واسطہ ہوتا نہیں
 عشق ہی کجست منزل آشنا ہوتا نہیں
 فاصلے میں کدھ دل سے دل جدا ہوتا نہیں

کیا دنیا مہلت ہے کہ اس دور ترقی میں جیتکر!

آدمی سے آدمی کا حق ادا ہوتا نہیں!

(۴۵)

جو طوفانوں میں پلتے جا رہے ہیں،
 وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں !
 نکھرتا آ رہا ہے رنگ گلشن !
 خس و خاشاک جلتے جا رہے ہیں
 وہیں میں خاک اُڑتی دیکھتا ہوں
 جہاں چشمے اُبلتے جا رہے ہیں
 چراغِ ذیرو کعبہ اللہ اللہ !
 ہوا کی زد پہ جلتے جا رہے ہیں
 شباب و سن میں بحث آ پڑی ہے
 نئے پہلو نکلتے جا رہے ہیں

(۴۶)

عمر بھر روح کی اور جسم کی یک جہائی ہو
 کیا قیامت ہے کہ پھر بھی نہ شناسائی ہو
 کوئی اتنا بھی نہ مصروفِ خود آرائی ہو !
 کہ تماشا ہے باقی نہ تماشا ہی ہو !
 انجمن ہو، نہ سیر انجمن آرائی ہو،
 میں ہوں اور صرف ہر عالم تنہائی ہو
 مستی حسنِ غمِ عشق پہ یوں چھائی ہو
 دل سے جو موجِ غم اُٹھتے تہری انگڑائی ہو
 اے غمِ دوست ترا صبر بھی پر ٹوٹے
 بے ترے نیند بھی آنکھوں میں اگر آئی ہو
 وہ محبت ہی نہیں ہے عوہ قیامت ہی نہیں
 جو ترے پاسے نگاہیں کی نہ ٹھکرائی ہو !
 ہو گئی دل کو تہری یاد سے اک نسبتِ خاص
 اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو

(۴۷)

دل کیوں کوئی مجروح پذیرائی ہو
 کھل دیر نہ بنے، لالہ صحرائی ہو
 کیوں تیری یاد شریکِ غم تنہائی ہو
 پھر ہر ایک سوٹ محبت کی انجرائی ہو
 جیسے بیباختہ ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہو
 میں تو سر جاؤں جیوں عشق کی بنائی ہو
 وہ بھی میرا ہی نہ اک گوشہ تنہائی ہو
 جس نے ظالم تھے دلیں بھی جگہ پائی ہو
 نہ خزاں آئی ہو جہیں نہ بہار آئی ہو
 اس حصہ گلشن کا مقدر ہمدم
 یوں بھی ہو کاش غم عشق کی تاثیر ہو !
 میں تمنا نہ کروں اور وہ تمنا ہی ہو !

(۴۸)

ممکن نہیں کہ جذبہٴ دل کا رگڑ نہ ہو !

یہ اوندھ بات ہے تمہیں اب تک خبر نہ ہو
تو میں عشق دیکھ نہ ہو لے جتگر نہ ہو
ہو جائے دل کا خون مگر آنکھ تر نہ ہو

دربائے حسن و کارِ غم عشق، ناصحا !

یہ کیا کہا ترا سر دامن بھی تر نہ ہو !
لازم خودی کا ہوش بھی ہے بھودی کیساتھ

کس کی لے خبر جسے اپنی خبر نہ ہو !
وہ بدگمانیاں ہیں نہ وہ سر گرانیاں

اتنی بھی دل کی دل کو الٹی خبر نہ ہو !
احسانِ عشق اصل میں تو میں عشق ہے

حاضر ہیں دین و دل بھی ضرورت اگر نہ ہو
یا طالبِ دعا تھا میں ایک ایک سے جتگر

یا خود یہ چاہتا ہوں دعائیں اثر نہ ہو

(۴۹)

دل بسر کرتے ہیں غاموں کے ساتھ کھیلتے ہیں ہم بھی شراروں کے ساتھ
 نہ ہو میں ان سے بھی کچھ ظلمتیں ربط بڑھایا تھا ستاروں کے ساتھ
 حق کہیں تجھ سے نہ لے انتقام پھیر نہ کر عشق کے ماروں کے ساتھ
 حق میں کیا ہے یہی معراج دید گم ہیں نگاہیں بھی فطادوں کے ساتھ
 نظر، ایک دلِ ناتواں معرکہ درپیش ہزاروں کے ساتھ
 اس میں ہے کہ ہے دلِ کائنات دید و نادیدہ اشاروں کے ساتھ
 ٹ بہاریں نہ چمن کی بہت تو بھی نہ لٹ جائے بہارِ وکیٹ
 ہے دور اور ابھی سحرِ جگر ڈوب چلی نبض ستاروں کے ساتھ

ہاں فلا اس پہ کہ جس نے جستگر !

زیستِ بسر کی نہ سہاروں کے ساتھ

(۵۰)

ابھی نہ روک نگاہوں کو پیر سے خانہ !
 کہ زندگی سہتے ابھی زندگی سے بیگانہ
 فضا ئے کعبہ ہو یا سر زمین بست خانہ
 پیر سے سوا نہ حقیقت نہ کوئی افسانہ
 سحر ہوئی وہ بڑھے ہاتھ سوئے میخانہ !
 بنام شاید فوخیز و پیر سے خانہ
 حدیث حسن، نہ شغیل شراب و پیمانہ
 یہ کس نے پھیرا دیا زندگی کا افسانہ
 مذاق عشق کی تفسیر ہے معاذ اللہ
 بہم ہوئے نہ کبھی عندلیب و پروانہ
 ستم بھی ڈھا کے کسی نے تو اس توجہ سے
 کہ بن گیا دل صد پارہ آئینہ خانہ
 جنوں عشق کی کافرا داشیاں تو بہ !
 نگاہ زہد بھی پڑنے لگی حریصانہ

وہیں وہیں سے آئے ہیں ہزار ہا فستے

جہاں جہاں سے میں گزرا ہوں بے نیاز

خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع جلنے دو !

پرائی آگ میں جلنا ہے کارِ مردانہ

قطعہ

وہ ایک شعر مجتہد وہ ایک پیکرِ حسن !

وہ سیرِ باغ یا نثارِ بے نیاز !

نظرِ نظرِ متبسم ، اگرچہ بے پروا !

نفسِ نفسِ متوجہ ، اگرچہ بیگانہ

قدائے نیم نقابی تمام نکست و رنگ

نثارِ نیم نگاہی تمام مے خانہ !

(۵۱)

سلسلہ

سراپہ حقیقت، مجسم فسانہ !
 محبت کا عالم جنوں کا زمانہ !
 ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ رنگ و نکمت
 وہ جاں نثنا، وہ حسن بیگانہ !
 وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم
 ادا بے قسوت، نقشہ مجسمانہ !
 نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے
 دھڑکتے دلوں کا وہ نازک فسانہ
 حیا میں، وہ معصوم سی اک شرارت
 شرارت میں موہوم سا اک فسانہ
 وہ ہر چہرے میں اک عی زندگیانی
 وہ ہر بات میں اک نیا شاخانہ

طبیعت شگفتہ مگر کھوئی کھوئی
 ہر انداز دل کش مگر والہانہ
 وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر
 کبھی کچھ بہانہ، کبھی کچھ بہانہ!
 وہ اشک و ہنس کا پُر کیف موسم
 وہ شعر و ترنم کا رنگین زمانہ
 کبھی رُوئے زیبا پہ عفت کی لہریں
 کہ جیسے کوئی بجلیوں کا خزانہ
 وہ با ربط سا اک طلسم معانی
 وہ بے ربط سا اک مسلسل فنانہ
 جنوں مکمل کا بھی ایک عالم،
 سکوتِ مسلسل کا بھی اک زمانہ
 غورِ تجسس، مگر زخمِ خوردہ،
 شکستِ محبت مگر فاختانہ!

(۵۲)

یہ فلک ماہ و غم، یہ میں یہ مانہ
 تھے حسن کی حکامت سے عشق کا
 یہ عین عشق کی کرامت یکا ل شاعر
 ابھی منہ سے بات نکلی ابھی ہو گئی
 یہ علیل سی فضا میں، یہ مریض سا زمانہ
 تری پاک تہ جوانی ترا حسن معجز
 یہ مرا پیام کہنا تو صبا سود بانہ
 مجھے چاکر جسے دامن سے نہیں ناسبت
 تجھے صا دتا پریم سے بھی کیا ملے گا ناداں
 تری لک انود سی بر سے اک حجاب ہے
 ترا دل اگر ہو زندہ تو نفس بھی تازہ
 مجھے عشق کی صدا پہ بھی شک سا ہوتا ہے
 میرے دل سے کہہ گئی کیا وہ نگاہ ناواقف
 تجھے لئے جگر ہوا کیا کہ بہت دنوں سے پیار سے!

نہ بیان عشق وستی، نہ حدیث دلبرانہ !

سہ کرٹ کا حسن سمجھنے یا جو کچھ صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے جگر

(۵۳)

طبیعت ان دنوں بیگانہ غم ہوتی جاتی ہے ۱
 مرے حصے کی گویا ہر خوشی کم ہوتی جاتی ہے
 سحر ہونے کو ہے، بیدار شعبانم ہوتی جاتی ہے
 خوشی مغلغلہ اسباب ماتم ہوتی جاتی ہے
 قیامت کیا یہ اسے حسن دو عالم ہوتی جاتی ہے
 کہ محفل تو وہی ہے، دل کشی کم ہوتی جاتی ہے
 وہی - یہ خبر و صبا، وہی ساغر، وہی شیش
 مگر آواز نوشا فوشن مدھم ہوتی جاتی ہے !
 وہی ہیں شاہد و ساتی، مگر دل بگھٹتا جاتا ہے
 وہی ہے شمع، لیکن روشنی کم ہوتی جاتی ہے
 وہی شور و شعل ہے لیکن جیسے موج تہ نشیں کوئی
 وہی دل ہے مگر آواز مدھم ہوتی جاتی ہے
 وہی ہے زندگی لیکن جگر یہ حال ہے اپنا
 کہ جیسے زندگی سے زندگی کم ہوتی جاتی ہے

وہ ادا ہے دلبری ہو کہ فوائے عاشقانہ
یہ ترا جمال کامل، یہ سہاب کا زمانہ
کبھی جن کی طبیعت نہ بدل سکا زمانہ
میں ہوں اس مقام پر اب کہ فراق وصل کیسے
بریں زندگی تو گزری تھے بھر کے سہا
تھے عشق کی کرامت، اگر نہیں تو کیا ہے
جسری دوری محض ہی کا ہے عیب عالم
جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ!
دل دشمن سلامت، دل دوستانہ نشانہ
وہی نانبے نیادی کہ وہی شاہن خسروانہ
مرا عشق بھی کہا فی، ہر امن بھی فنا
ہری موت کو بھی پیارے کوئی چاہیے بہانہ
کبھی بے ادب گزرا مجھے پاس سے زمانہ
ابھی زندگی حقیقت ابھی زندگی فسانہ

قطعہ

مے ہم صفر بیل مرا تیرا ساتھ ہی کیا
میں ضمیرِ دشت دریا تو اسیرِ آسٹیا نہ
میں وصال ہی کہن تجھ ہی فرقہ مجھ میں
نزد و دور تہنا، مرا غمِ ظلم زمانہ یا
ترے دل کے ٹوٹنے پر ہے کسی کو نادم کیا کیا!
تجھے لے جگر مبارک یہ شکستِ فاتحانہ

(۵۵)

محبت کا فرما سئے دو عالم ہوتی جاتی ہے
 کہ ہر دنیا سئے دل شائستہ غم ہوتی جاتی ہے
 ہر اک صورت ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
 الہی کیا بری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے
 نغانہ گرم رفتار ترقی ہوتا جاتا ہے
 مگر اک چشم شاعر ہے کہ پیرم ہوتی جاتی ہے
 جہاں تک توڑتا جاتا ہوں رسمِ ظاہر و باطن
 دلیلِ عاشقی اتنی ہی محکم ہوتی جاتی ہے
 جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں
 یہ محفل اور برہم اور برہم ہوتی جاتی ہے
 نزاکت سئے احساں محبت سئے معاذ اللہ
 کہ اب اک اک گھڑی ایک ایک عالم ہوتی جاتی ہے
 غزہ حسنِ رخصت، الفراق اسے تازی خود بینی
 مزاج حسن سے اب تکنت کم ہوتی جاتی ہے

یہی جی چاہتا ہے چھوڑتے ہی چھوڑتے رہیے

بہت دلکش ادائے برہم ہوتی جاتی ہے !
اسکے قویہ ! یہ تکمیل شباب و حسن ایسے قویہ !

کہ ہر ظالم ادا قہرِ عالم ہوتی جاتی ہے !
تصورِ رفتہ رفتہ اک سرا پا بنتا جاتا ہے

وہ اکبٹے جو بھیجی میں سے مجسم ہوتی جاتی ہے
وہ رہ رہ کر گلے مل کر رخصت ہوتے جاتے ہیں

ہری آنکھوں سے یارب روکشی کم ہوتی جاتی ہے
جدھر سے میں گزرتا ہوں نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں

ہری ہستی بھی کیا تیرا ہی عالم ہوتی جاتی ہے
جگر تیرے سکوتِ غم نے یہ کیا کہہ دیا آج !

بھکی پڑتی ہیں نظریں لکھ کر غم ہوتی جاتی ہے !

(۵۶)

کیا کششِ حسنِ بے پناہ میں ہے
 جو قدم ہے اسی کی راہ میں ہے
 مے کدہ میں نہ حنا نقاہ میں ہے
 جو شبلی دلِ تباہ میں ہے !
 بگئے وہ رازِ غم کہ جو اب تک
 تیرے دل میں مری نگاہ میں ہے !
 عشق میں کیسی منہ زلِ مقصود !
 وہ بھی اک گرد ہے جو راہ میں ہے
 میں جہاں ہوں، تیرے خیال میں ہوں
 تو جہاں ہے مری نگاہ میں ہے !
 حسن کو بھی کساں نصیبِ چہرہ !
 وہ جو اک شے مری نگاہ میں ہے

(۵۷)

کسی صورت نمودِ سو در پنهانی نہیں جاتی ،
 بھجا جاتا ہے دل چہرے کی تابانی نہیں جاتی
 نہیں جاتی کہاں تک فکرِ افسانی نہیں جاتی
 مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی
 نگاہوں کو خزاں نا آشنا بننا تو آجائے
 چمن جب تک چمن ہے جلوہ سامانی نہیں جاتی
 پشیمانِ ستم وہ دل ہی دل میں رہتے ہیں لیکن
 خوشا حسنے کہ طرزِ ناپشیمانی نہیں جاتی
 مزاجِ اہل دل بے کیف دستی رہ نہیں سکتا
 کہ جیسے نکلت گل سے پریشانی نہیں جاتی
 صداقت ہو تو دل سینوں سے کھینچنے لگتے ہیں واعظ
 حقیقت خود کو سنوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی
 بلندی چاہیے انسان کی فطرت میں پوشیدہ
 کوئی ہو بھیس لیکن شانِ سلطانی نہیں جاتی

گئے وہ دن کہ دل سرما دایہ دروہیم
 مگر آنکھوں کی اب تک میرا مانی نہیں جاتی
 جیسے رونق ترے قدموں نے دیکر چھین لی رولق
 وہ لاکھ آباد ہو اس گھر کی ویرانی نہیں جاتی
 وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ کسوں کی
 وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی
 مجھے تو کر دیا سیراب صاتی نے مرے لیکن،
 مری سیرابیوں کی تشنہ سامانی نہیں جاتی
 نہیں معلوم کس عالم میں حسن یار دیکھا تھا!
 کوئی عالم ہو لیکن دل کی حیرانی نہیں جاتی
 چلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر
 حضور شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی
 محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
 کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طلیانی نہیں جاتی!
 مگر وہ بھی زسرتا پا محبت ہی محبت ہیں
 مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی

(۵۸)

تکلف سے تصنع سے، یری ہے شاعری اپنی
 حقیقت شعر میں جو ہے، وہی ہے زندگی اپنی
 نظر سے ان کی پہلی ہی نظریوں مل گئی اپنی
 حقیقت میں بھٹی جیسے مدلوں سے دوستی اپنی
 وہ ان کی بے رخی وہ بے نیازانہ ہنسی اپنی
 بھری محفل بھٹی لیکن بات بگڑی بن گئی اپنی
 جمال ان کا، مزاج اپنا، غم ان کا زندگی اپنی
 حیاتِ حسن ہے گویا حیاتِ عاشقی اپنی
 یہاں تک تو جگر پہنچی ہے حسیلِ خودی اپنی
 کہ حسن اک مشغلہ اپنا ہے عشق اک دل لگی اپنی

ہمیں کیوں اب کوئی سمجھائے دل اپنا خوشی اپنی
 گریباں اپنا ہاتھ اپنے، جنوں اپنا ہنسی اپنی
 اسے سمجھے نہ سمجھے کوئی، لیکن واقعہ یہ ہے
 کہ ترکے کشتی پر بھی وہی ہے مے کشتی اپنی
 جگر رہ جائے بن کر آہ جواک کا سہ ساکن
 نہ ایسی شاعری اپنی نہ ایسی زندگی اپنی!

(۵۹)

مگر شامل نہ در پردہ کسی کی آرزو ہوتی

تو پھر اے زندگی ظالم نہ میں ہوتا نہ تو ہوتی !

مگر حائل نہ اس رخ پر نقاب رنگت بو ہوتی

کسے تاب نظر رہتی، محب ال آرزو ہوتی !

نہ اک مرکز پہ رگ جاتی نہ یوں بے آبرو ہوتی

محبت جستجو ہتی جستجو ہی جستجو ہوتی !

ترا ملنا تو ممکن تھا مگر اے جان مجھینی !

میرے نزدیک تو ہیں مذاق جستجو ہوتی !

گاہ شوق اسے بھی ڈھال لیتی لوہے سانچے میں

اگر ایک اور بھی دنیا و اسے رنگت بو ہوتی !

(۶۰)

وہی اس نظر میں ہیں کھٹک جانے والے
 جو سینوں پہ ہیں برھیاں کھانے والے !
 شکن کاش پڑ جائے اپنی جبیں پہ !
 پریشان بہت ہیں ستم ڈھانے والے !
 سراپا محبت بنے جا رہے ہیں
 سلامت رہیں ان کو بہکانے والے !
 بدعورا اپنی جانب بھی لے کاش دیکھیں !
 میرے حال پر رحم فرمانے والے !
 محبت کی اتنی محبت ہی جہان نے !
 مہمے نہیں ہیں یہ سمجھانے والے !
 ترے حسن کا راز کیوں کر چھپاؤں !
 میرے دیدہ و دل پہ چھا جانے والے !
 مری طاقت ضبط کی خیر یا رب !
 کرم پر تلے ہیں ستم ڈھانے والے !
 جو ہیں خاص چشم و چہرہ محبت !
 وہ آنسو نہیں ہیں نظر آنے والے !

(۶۱)

آنکھوں میں ہیں کسے دل میں سما کر چلے گئے
 خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے !
 حسنِ ازل کی شان دکھا کر چلے گئے !
 اک واقعہ سا یاد دلا کر چلے گئے !
 چہرے تک آستین وہ لا کر چلے گئے
 کیا راز تھا کہ جس کو چھپا کر چلے گئے !
 رگ رگ میں اس طرح وہ سما کر چلے گئے
 جیسے تجھی کو مجھ سے چسوا کر چلے گئے !
 میری حیاتِ عشق کو دے کر جنوں شوق !
 مجھ کو تمام ہوش بنا کر چلے گئے !
 سمجھا کے پستیاں برسے اور کمال کی
 اپنی بلندیاں وہ دکھا کر چلے گئے !
 اپنے فرسخِ حسن کی دکھلا کے وسعتیں
 میرے حدودِ شوق بڑھا کر چلے گئے !

ہر شے کو میری خاطر ناسخاد کے لئے !
 آئینہ جمال بنا کر چلے گئے !
 آئے تھے دل کی پیاس بجھانے کے واسطے
 اک آگ سی وہ اور دگا کر چلے گئے !
 آئے تھے چشمِ شوق کی حسرت نکالنے !
 سرتاقدم نگاہ بنا کر چلے گئے !
 اب کا رو بارِ عشق سے فرصت مجھے کہاں
 کوئیں کا وہ درد بڑھ کر چلے گئے !
 شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول !
 اپنا سا کیوں نہ مج کو بنا کر چلے گئے !
 لبِ فقر فقرا کے رہ گئے لیکن وہ اتنے جگر !
 جاتے ہوئے نگاہ ملا کر چلے گئے !

(۶۲)

وہ جو روٹھیں یوں منانا چاہیے !
زندگی سے روٹھ جانا چاہیے !
ہمتِ قاتل بڑھانا چاہیے
زیرِ خنجر مسکرانا چاہیے !
زندگی ہے نامِ جسد و جنس کا
موت کیا ہے ؟ بھول جانا چاہیے
ہے انہیں دھوکوں سے دل کی زندگی
جو حسین دھوکا ہو کھانا چاہیے !
لذیق ہیں دشمن اور کمال !
کلفتوں سے جی لگانا چاہیے !
ان سے ملنے کو تو کیا کہیے جگر !
خود سے ملنے کو زمانا چاہیے !

(۶۳)

برابر سے بچ کر گذر جانے والے!
 یہ نالے نہیں بے اثر جانے والے
 نہیں جانتے کچھ کہ جانا کہاں ہے
 چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے
 مرے دل کی بیٹا بیاں بھی لئے جا!
 دے پاؤں منہ پھیر کر جانے والے!
 ترے اک اشارے پہ ساکت کھڑے ہیں
 "نہیں" کہہ کے سب سے گذر جانے والے
 محبت میں ہم تو جڑے ہیں جلیں گے!
 وہ ہوں گے کوئی اور مر جائے والے

(۶۴)

سوفا جو اب ہے سر میں وہ سوراہی اور ہے
 اس کا چمن ہی اور ہے صحرا ہی اور ہے
 لیلائے آب و گل تو ہزاروں ہزار ہیں !
 تجنوں ہے جس کی روح وہ لیلیٰ ہی اور ہے
 جو حسین شش جہت سے نہ سیراب ہو سکی
 محسوس اب ہٹا، وہ تمنا ہی اور ہے
 خود حسن استعارہ ہے جس کے جمال کا
 وہ جانِ حسن، حسن سراپا ہی اور ہے !
 جس سے کہ مطہش ہو مری و ظربت بلند
 شاید وہ حسن و عشق کی دنیا ہی اور ہے !
 صورت میں یہ فسو غ یہ جذب کشش کہاں
 در پردہ کوئی شاید معنی ہی اور ہے
 یہ حسن رنگ رنگ بھی کچھ کم نہ تھا جگر !
 کیا کیجئے کہ دل کا تقاضا ہی اور ہے

(۶۵)

یوں پسرش ملال وہ فرما کے رہ گئے؛
 شکوے ہری دباں تک آ کے رہ گئے
 پہلے تو عرضِ غم پہ وہ جھنجھلا کے رہ گئے
 پھر کچھ سمجھ کے سوچ کے شرما کے رہ گئے
 آئیے نہ چوم چوم رہے تھے وہ بار بار
 دیکھا جو یکایک بیابانِ تجھ شرما کے رہ گئے
 وہ کون ہے کہ جو سر منزل پہنچ سکا
 دھندلے سے کچھ نشانِ نظر آ کے رہ گئے
 فتنوں پہ میرے اور تو کچھ وہ نہ کہہ سکے
 کچھ سکرا کے پھول سے برسا کے رہ گئے
 ہر شکرِ انتقامِ محبت ہے اے حبسگر!
 شکوہ نہیں ہے ان سے جو تڑپا کے رو گئے

پھر دل ہے قصہ کو چہ جاننا کئے ہوئے
 لگ رگ میں نیش عشق کو پنہاں کئے
 پھر غزلت خیال سے گہرا رہا ہے دل
 ہر وسعت خیال کو زنداں سکھ ہو
 پھر چشمِ مثنوی دیر سے لبریز مشکوہ ہے
 قطروں کو موج، موج کو طوفاں کئے
 پھر جان بے قرار ہے آمادۂ فناں!
 سو حشر اک سکوت میں پنہاں کئے
 پھر کیف بے خودی میں بڑھا جا رہا ہوں میں
 سب کچھ نشانِ شوقِ فراواں کئے ہو
 پھر سوئے غلہ حسن کھنچا جا رہا ہے دل
 ہر جنتِ نظارہ ہے دیراں کئے ہو

بڑھ چلا ہے جو شش طلب یا دوست میں
 سو فتح ہر شکست پہ قسریاں کئے ہوئے
 بڑھ چلیں جنوں تمنا کی شورشیں !
 برہم نظام عالم امکاں کئے ہوئے !
 ہے نگاہ شوق کو دیدار کی ہو س
 مدت ہوئی ہے جراثیم عصیاں کئے ہوئے
 ہے چلی ہے وحشت دل شہر حسن میں
 جنس گراں عشق کو ارزاں کئے ہوئے !
 ہی بیچا ہوتا ہے کہ بیچھے رہیں جنگرا !
 اُن کی نظر سے بھی انہیں چہاں کئے ہوئے

(۶۷)

آگے ہیں پھر وہ عزمِ دل و جاں کئے ہوئے

پلکوں کی اوٹ، حشر کا ساماں کئے ہوئے

پھر اُٹھ رہی ہے عارضِ پُر نور سے نقاب

نظارہ و نظر کو پریشاں کئے ہوئے

پھر شام و صبح زلفِ زرخِ یار ہیں بسم

ایساں کو کفر، کفر کو ایساں کئے ہوئے

پھر حسنِ منفعلِ متیستم ہے ذمیرِ لب !

یک قطرہ اشک زہینتِ مڑگاں کئے ہوئے

(۶۸)

ہم نے دنیا ہی میں دنیا ئے حقیقت دیکھی
 ہمیں دوزخ فطر آئی ہمیں جنت دیکھی !
 عشق کے بھیس میں جب حسن کی صورت دیکھی
 ہر ادا پھر تو قیامت ہی قیامت دیکھی !
 منفرد رنج ، نہ تنہا کوئی راحت دیکھی
 یہ تری نیم نگاہی کی شرارت دیکھی !
 تب تجھے دیکھ کے کونین کی وسعت دیکھی
 حسن ہی حسن محبت ہی محبت دیکھی !
 مگر شوق کی محسوسی تقدیر نہ پوچھا !
 بن گئی وہ بھی انسانہ جو حقیقت دیکھی !
 حسن بے نام نے دکھا دکھا چھپا کر جس کو ،
 وہ تجلی بھی سر پر وہ حیرت دیکھی !
 اس گندگاہ محبت کو خدا ہی سمجھ !
 جس نے اس مدد بھری آنکھوں کی ندامت دیکھی

واعظ نے اور نہ زاہد شب زندہ دار نے

بغھ کو جگا دیا ہر سے دل کی پکار نے

تم کو غم و حسرت ہے لیکن یہاں یہ فکر،

چھوڑا ہے کس کو عشق و عالم شکار نے

تسکین روح جسے کسی طرح ہو سکی،

سب اپنی اپنی دھن میں لگے کچھ پکار نے

تکلیف و پردہ دار ہی تکلیف الاماں !

مادا ہے مجھ کو خود مرے صبر و قرار نے

طنزاً وہ دیکھتے ہیں مگر دیکھتے تو ہیں !

یہ کام تو کیا دل نا کردہ کار نے !

وہ عشق ہی نہیں ہے وہ دل ہی نہیں تہجر !

بیابان خود کہا نہ جسے حسن یار نے

(۷۰)

مشیب فراق ہے اور غم آئی جاتی ہے
 کچھ اس میں آنکلی تو جہ بھی پائی جاتی ہے
 یہ عمر عشق یوں ہی کیا گنوائی جاتی ہے
 حیات زندہ حقیقت بنائی جاتی ہے
 بنانا کے جو دنیا مٹائی جاتی ہے ،
 ضرور کوئی کمی ہے کہ پائی جاتی ہے
 ہمیں یہ عشق کی تہمت لگائی جاتی ہے
 مگر یہ شرم جو ہر سے پر چھائی جاتی ہے
 خدا کہے کہ حقیقت میں زندگی بن جائے !
 وہ زندگی جو دیاں تک ہی پائی جاتی ہے
 گناہ نگار کے دل سے نہ بچ کے چلے جا ہد !
 یہیں کہیں تری جنت بھی پائی جاتی ہے
 نہ سوز عشق ، نہ برق جمال پر الزام
 دلوں میں آگ خوشی سے لگائی جاتی ہے
 کچھ ایسے بھی ہیں دنیا کے بازو
 کہ جن کو بلے نہ لگے نہ لگے نہ لگے

(۷۷)

نقابِ حسن و عالم اٹھائی جاتی ہے
 جلی کو میری تجلی دکھائی جاتی ہے
 قدم قدم مری بہت بڑھائی جاتی
 نفس نفس تم ہی آہٹ سی پائی جاتی ہے
 وہ اک نظر جو شکل اٹھائی جاتی ہے
 وہی نظر گڑ پے میں سمائی جاتی ہے
 سکوں ہے موتیاں فوقِ جستجو کیلئے
 تیشنگی وہ نہیں جو بکھائی جاتی ہے
 خداوہ دردِ محبت ہر ایک کو بخشے
 کہ جسمیں روح کی تسکین پائی جاتی ہے
 وہ یکدہ ہے تیری انجمنِ حنا دیکھے
 جہاں خیال سے پہلے پلائی جاتی ہے
 تجھے مٹو کیا وار دایہ قلم بکراج
 کہ جیسے چاند بہ بدلی سی چھائی جاتی ہے
 تجھے خبر ہو تو اتنی نہ فرصتِ غم نہ
 کہ تیری یاد بھی آکر ستائی جاتی ہے
 وہ چیز کہتے ہیں فردوسِ گشتِ جس کو
 کبھی کبھی تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے

قریبِ نزلِ آخر ہے الفراقِ حشر !
 سفرِ تمام ہو گا نیند آئی جاتی ہے

(۷۲)

نہ اب مسکرانے کو جی چاہتا ہے !
 نہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے !
 ستاتے نہیں وہ توان کی طرف سے
 خود اپنے ستانے کو جی چاہتا ہے
 کوئی مصلحت روک دیتی ہے ورنہ
 پلٹ دیں زمانے کو جی چاہتا ہے ۔
 تجھے بھول جانا تو ہے غیر ممکن !
 مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے
 تواضع کرے عشق چند آنسوؤں سے
 بہت مسکرانے کو جی چاہتا ہے !
 بہت دیر تک چپ کے تیری نظار سے
 تجھے دیکھ پانے کو جی چاہتا ہے !

تیری آنکھ کو بھی جو بے خواب کر دے
 وہ فتنہ جگانے کو جی چاہتا ہے
 حسیں تیری آنکھیں حسیں تیرے آنسو
 یہیں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے
 جنگرا ب تو وہ بھی یہ کہتے ہیں مجھ سے
 ترے ناز اٹھانے کو جی چاہتا ہے

(۷۳)

جلو و بعدِ ظرفِ نظر دیکھتے رہے ! کیا دیکھتے ہم ان کو گر دیکھتے رہے
 اپنا ہی عکس پیشِ نظر دیکھتے رہے ! آئینہ رو برو تھا جدھر دیکھتے رہے
 کیا قہر تھا کہ پاس ہی دل کے لگی تھی آگ اندھیر ہے کہ دیدہ نزد دیکھتے رہے
 لاکھ آفتاب پاس سے ہو کر گزر گئے ، بیٹھے ہم انتظارِ سحر دیکھتے رہے
 انکی حریمِ نانہ کہاں ادھم کہاں ! نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے
 ایسی بھی کچھ فراق کی راتیں گزریں جیسے نہیں کو پیشِ نظر دیکھتے رہے
 ہیں وہ سبیل کی وہ محبوبان بھی یاد آنکھیں نہیں سو گوار مگر دیکھتے رہے

ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جتگر !
 ہر آن ہم جہانِ دگر دیکھتے رہے !

لفظ اس لفظ کی تذکیر میرے مذاقِ شعری کو پسند نہیں
 اور میں اس کو ہمیشہ تانیث استعمال کرتا ہوں -

(۷۴)

یہ سنو! پیشِ نقیض ہر درودِ غیور ہو جائے
 جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے
 وہی میخوار ہے جو اس طرح میخوار ہو جائے
 کہ شیشہ توڑ دے اور بے پئے شراب ہو جائے
 دلِ انسان اگر شافتہ اسرار ہو جائے
 بہ خاموش فطرت ہی لبِ گفتار ہو جائے
 ہر اک بیچارہ کی ہستی بروئے کار ہو جائے
 بتوں کی روح خوابیدہ فکرِ بیدار ہو جائے
 سنو! ہر سر میں ہر آنکھ سے بے پردہ دیکھ لی
 مجھے درہنہ۔ توہینِ جمالِ یار ہو جائے !
 حریمِ نانہ میں اس کی رسائی ہو تو کیونکر ہو !
 کہ جو آسودہ زہیرِ سایہ دیوار ہو جائے
 سعادۃ اللہ اس کی وارداتِ غمِ معاذ اللہ
 چمن جس کا وطن ہو اور وطن بیزار ہو جائے
 یہی ہے زندگی تو زندگی سے خود کشی اچھی !
 کہ ان عالمِ انسانیت پر بار ہو جائے
 اک ایسی شان بیدا کر کہ باطل فقرِ فقر آٹھے
 نظرِ تلوار بن جائے نفسِ قہنکار ہو جائے
 یہ روز و شب یہ صبح و شام یہ بستی یہ ویرانہ
 سبھی بیدار ہیں انسان اگر بیدار ہو جائے

(۷۵)

محبت صلح بھی پیکار بھی ہے
 طبیعت اس طرف خود دار بھی ہے
 ادائے عشق ادائے یار بھی ہے
 یہ فتنے جن سے اک دنیا ہے نال
 جنوں کے دم سے ہر نظم و وعالم
 نفس پر ہے مدارِ زندگانی !
 اسی 'ناس' میں سبب کچھ ہے پنہا
 وہ بگڑے گل کر ہے جانِ چین بھی
 یہی دنیا ہے بستی آنسوؤں کی
 جہاں وہ ہیں وہیں میرا قصور !
 خرد دار اے سکسارِ این ساحل !
 غنیمت ہے کہ اس دورِ مہر میں
 جو کوئی سن سکے تو نکلت گل !

یہ شاخ گل بھی ہے تلوار بھی ہے
 آدھرتانگ مزاج یار بھی ہے
 بہت سادہ بہت پرکار بھی ہے
 ان ہی سے گرمی بازار بھی ہے
 جنوں پر ہم زن انکار بھی ہے
 نفس چلتی ہوئی تلوار بھی ہے
 مگر یہ معرفت دشوار بھی ہے
 قیامت ہے چین ہزار بھی ہے
 یہی دنیا تبستم زار بھی ہے
 جہاں ہیں یوں ہیں ہر دم سے
 یہ ساحل می کبھی مسجدِ یار بھی ہے
 تیرا ملنا بہت دشوار بھی ہے
 شکستہ دنگ کی تھنکار بھی ہے

ان آنکھوں کی زینتِ مہر بیانی !
 بہم انکار بھی اقرار بھی ہے !

(۷۶)

نہ تابستی نہ ہوش مستی کہ شکرِ نعمت ادا کریں گے
 خزاں میں جیسے یہ اپنا عالم ہمارا آئی تو کیا کریں گے
 ہر ایک غم کو فرودِ غم سے کر بیاں نکالے راستہ کریں گے
 وہی جو بڑھتے ہیں دور ہم سے خود اپنی آغوشِ داکریں گے
 جدھر سے گزریں گے سرِ فروشانہ کارنامے سنا کریں گے
 وہ اپنے دل کو ہزار دہکیں بھری محبت کو کیا کریں گے
 نہ شکرِ غم نہ یارب کریں گے نہ شکوہ بر ملا کریں گے
 جو ہم پہ گنہے گی دل ہی دل میں کیا کریں گے سنا کریں گے
 تیرے قصور سے حاصل اتنا کمالی کسب کیا کریں گے
 جہاں کچھ آنسو ٹپکتی ہیں گھٹا رہے نہ بھلائے کیا کریں گے
 بظاہر ہی جلوئے رئیسِ فریب کب تک دیا کریں گے
 نظر کی جو کر سکے نہ تسکین وہ دل کی تسکین کیا کریں گے

وہاں بھی آہیں بھرا کریں گے۔ وہاں بھی نالے کیا کریں گے
 جنہیں ہے تجھ سی ہی صرف نسبت تیری جنت کو کیا کریں گے
 نہیں ہے حسن کو مجال ہستی وہ تری جنت کو کیا کریں گے
 کہ جس میں کہ ہیں بسنے والے اسے بھی رسوا کیا کریں گے
 یہاں نہ دنیا نہ فکر دنیا، یہاں نہ عقیدے نہ فکر عقیدے !
 جنہیں ہنر سوا بھی ہوگا وہی علم ماسوا کریں گے
 ہم اپنی کیوں طرز فکر چھوڑیں ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں
 کہ انقلابات نو بہ نو تو ہو گئے ہیں ہٹا کریں گے !
 یہ محنت تر عشق کے مراحل، یہ ہر قدم پر ہزار احساں
 جو بچ ہے تو جنوں کے حق میں جٹیں گے جتکے عالم کریں گے
 ریخام کاراں ملحق سوچیں یہ شکوہ سنجان حسن سمجھیں !
 کہ زندگی جب حسین نہ ہوگی تو پھر توجہ دہ کیا کریں گے
 خود اپنے ہی سوز باطنی سے نکال اک شمع غیر فانی !
 چراغ اہل حرم تو زاہد جلا کریں گے بجھا کریں گے !

(۷۷)

کس کا خیال کوئی منزل نظر میں ہے !
 صدیاں گزر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے !
 چہرے پر برہمی ہے تبسمِ نظر میں ہے
 اب کیا کمی تھا ہنسیِ لب و جگر میں ہے
 اک روشنی سی آج ہر اک دشتِ در میں ہے !
 کیا میرے ساتھ خود مری منزل سفر میں ہے
 تسلیمِ حسنِ دوست کی معصومیاں مگر
 شاملِ کوئی وقتِ شام و صبح میں ہے !
 صیاد کی نظر میں وہ نشہ سے کم نہیں !
 اک لڑکھنوی جو میرے بال پر میں ہے
 یا رہے - فائے عذرِ محبت کی خیر ہو !
 نازک سا عتراف بھی آج اُسکے لہجہ میں ہے
 سمجھے تھے دُورِ تجھ سے نکل جائیں گے کہیں
 دیکھا تو ہر مقامِ تری راہ گز میں ہے
 کارِ بیکرانِ شعر سے پوچھے کوئی تیرے !
 سب کچھ تو ہے مگر یہ کمی کیوں تیرے ہے ؟

(۷۸)

زندگی ہے مگر پرانی ہے مرگ غیرت تری دہائی ہے!
 جبکہ دست قریب آئی ہے غم نے کیا کیا ہنسی اڑائی ہے
 جس نے جب شکست کھائی ہے عشق اک جان پرین آئی ہے
 عشق کو زعم پار سناٹی ہے حسن کام تیری ادھائی ہے
 طعنے وہ کسزہ چمن کہ جسے سارے گل میں نیند آئی ہے
 عشق ہے اس مقام پر کہ جہاں رنہ کی نے شکست کھائی ہے
 خاک منزل کو منہ سے ملتا ہوں یاد نگار شکستہ پاٹی ہے
 اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

ہجر سے شاو و صل سے ناشاد
 کیا طبیعت تجگر نے پائی ہے!

(۷۹)

اگر جمال حقیقت سے ربطِ حکم ہے
 نہیں مقابلہ کوئی، مگر یہ کیا کم ہے
 الہی خیر! یہ کیا شام ہی سے عالم ہے
 نہ کوئی خلد نہ زاہد! کوئی جنم ہے
 ہر ایک قلم سے میں بیاؤں معرفتِ ہدایا
 ابھی کمال کو پہنچی نہیں ہے فطرتِ عشق
 جنوں بھی ساتھ نہ دے اب کچھ نہیں
 جو گوشِ دل شہنا ہو بزمِ ہستی میں
 خزاں کا رنج کرے عشق میں بلامیری
 حسین و سادہ سے کس درجہ فطرتِ شاعر
 ہنس تو غنچہ دگل روئے تو شبنم ہے
 خوشی میں بقول نہ جانا جگر یہ رازِ حیات!
 کہ جو خوشی ہے یہاں اک امانتِ غم ہے

نفسِ نفس میں نئی زندگی کا عالم ہے
 خود آفتابِ رخشاں حریفِ شبنم ہے
 کہ جیسے آج مستانِ نہیں، وشنی کم ہے
 خود اپنی اپنی نظر اپنا اپنا عالم ہے
 مگر نصیب ہو کیونکر کہ پیاس ہی کم ہے
 کہ آدمی کو ہنوز انتظارِ آدم ہے
 خوشا کہ تیری نگاہوں سے ربطِ حکم ہے
 سکوت ساز بھی اک نغمہ مجسم ہے
 نہیں ہمارا تو یاد ہمارا کیا کم ہے
 ہنس تو غنچہ دگل روئے تو شبنم ہے

(۸۰)

سن و صورت کے نہ حسرت کے نہ اربانوں کے
 اُف کہ انسان ہیں مارے ہوئے انسانوں کے
 کیا مقامات ہیں ان سوختہ سامانوں کے
 خضر خود بڑھ کے قدم لیتے ہیں دیوانوں کے
 من ہی ذرات میں خاموش سے ویرانوں کے
 دل دھڑکتے نظر آئے مجھے انسانوں کے
 بسلوہ دوست یہ آہستہ خرامی کب تک !
 ندیاں سوکھ چلیں شوق میں طوفانوں کے
 ورج سے، رنگِ شفق لالہ و گل، مطلع صبح
 چند عنوان ہیں مرے شوق کے افسانوں کے
 کی کشتی کو نہیں تاب تلاطمِ لہ دوست !
 جس نے منہ پھر دیئے بکتے کبھی طوفانوں کے

حسن کی جلوہ گری سے ہے محبت کا جنوں !

شمع روشن ہوئی پر لگ گئے پروانوں کے

مرحبا! جذبہ بے باک جو انان وطن !

تینچ چم طم ہے مگر ہاتھ میں نادانوں کے

ناز ہے شاہد فطرت کو بھی جس پر مہم

وہ چمن سب ہیں لگائے ہوئے دیوانوں کے

میں نے دیکھا ہے اُسے روپ میں فطرت کے جگر

میں نے پایا ہے اُسے بھیس میں انسانوں کے

(۸۸)

رگت گ میں ایک برقِ خروماں لئے ہوئے دل ہی ہوا کمرِ منزلِ جاناں لئے ہوئے
 بول ہے تجلیات کا طوفان لئے ہوئے لیکن حجابِ یدہ حیراں لئے ہوئے
 شمع گداڑے عشق کی سراج دیکھنا ہر قطرہ غل میں شمعِ فروزاں لئے ہوئے
 وہ سامنے تو آئے مگر اس لدا کی اک طرزِ انتظافِ گریزاں لئے ہوئے
 دل کو ہلکیوں گلہ کہ بظاہر توفہ گاہ نشتر لئے ہوئے ہے نہ پیکان لئے ہوئے
 کانٹوں میں جیسے پھولِ جہنم میں جھکدے آنکھیں میں لعلِ غلبتِ عصیان لئے ہوئے
 اہل سلامتی کی طرف سے اسے سلام ! کشتی جو غرق ہو گئی طوفاں لئے ہوئے
 دلیں کہاں امید و تمنا کا وہ ہجوم ! بھرتا ہوں ایک جنتِ یریں لئے ہوئے
 ہونا تھا چاک چاک گریباں کو اے جنوں لیکن کسی کا گوشہ داماں لئے ہوئے
 ہر رملہ سے عشق گزرتا چلا گیا ! دل میں ادا ہے حسنِ گریزاں لئے ہوئے

پھولوں کو نازِ حسن اگر ہے تو ہو جگر !

کانٹے بھی ہیں عزوِ گلستاں لئے ہوئے

(۸۲)

کس کا خیال ہو دل مضطر لئے ہوئے
 آئی ہے موج حسن کا منظر لئے ہوئے
 ہر لحظہ اک سرورِ میسر لئے ہوئے
 ہشیار اے نگاہِ ستم آشنائے دوست
 کوئین کی ہوس میں ہے انسانِ ذلیل و خوار
 دنیا بھی کیا مقام ہے جس میں کہ بار بار
 ہنسا ہٹا ہے قلبِ مکر سے ٹھٹھکے

قطعہ

شرم گناہ سے بڑھ کے ہے ہر غوغا گناہ کی شرم
 حصاں کا بادبٹ تو گیا سر سے اے کریم
 یار کیاں میں جاؤں تیرے لئے ہوئے
 لیکن ہوں یک لمحہ سدا دل پر لئے ہوئے

اللہ سے بے بسی کہ غم روزِ گدھ بھی
 افسانے تجلی رخِ ساقی کہ بادہ کشی
 نہ بٹھا ہوں تیرے غم کے برابر لئے ہوئے
 رہے گئے ہیں ملاحہ میں ساعزے لئے ہوئے
 آنکھیں ابھی کچھ اور بھی ہیں منتظرِ جگہ
 ”چھپرا“ کی قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے

(۸۳)

جو سینہ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
 سب سے پہلے دل شاعر پہ عیاں ہوتا ہے
 ہمت خوں ریز جب آشوب جہاں ہوتا ہے
 نہیں معلوم یہ انسان کہاں ہوتا ہے
 سب کوئی حادثہ کون و مکاں ہوتا ہے
 ذرہ ذرہ مری جانب نگراں ہوتا ہے
 نظر کردہ صاحب نظراں ہوتا ہے،
 اُسی دیوانے کے قدموں پہ جہاں ہوتا ہے
 سب کوئی عشق میں برباد جہاں ہوتا ہے
 مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے
 ستر زلزل ہے ادب گاہ محبت کی زمیں
 کوئی دیکھے تو یہ ہنگامہ کہاں ہوتا ہے

قطعہ

کہیں ایسا تو نہیں، وہ بھی ہو کوئی آزار
 تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے
 دل غنی ہو تو ہر ایک بچ بھی دل کی راحت
 ذہن مفلس ہو تو ہر سود زیاں ہوتا ہے
 قطعہ

اتھاں گاہِ محبت میں نہ رکھے وہ قدم !
 موت کے نام سے جس کو خفقاں ہوتا ہے
 یہی وہ منزل دشوار ہے جس منزل میں ،
 ختم ہر مرحلہ سود و زیاں ہوتا ہے !
 ہر قدم معرکہ کرب و بلا ہے درپیش ،
 ہر نفس سانحہ مرگِ جواں ہوتا ہے !
 ناز جس خاکِ ڈن پر تھا تجھے آہِ جگر !
 اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے !

(۸۴)

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے

اہلِ دل کے لئے سرمایہ جہاں ہوتا ہے !
 پائے وہ وقت کہ جب سن پہ آتا ہے شباب !

اُف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے !
 اُسی اک زندہ حقیقت نظر آتا ہے جہاں

کبھی ہر علم و یقین و ہم و گماں ہوتا ہے !
 دل کو بے درد محبت میں بتانے والے !

دل سا ہمدرد زمانے میں کہاں ہوتا ہے !
 وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب

دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے
 پائے وہ سلسلہ اشک کہ جب تیرے حضور

دل میں کتاب نہ آنکھوں سے رواں ہے

عزیم بے باک اگر ہو تو کہاں کی دوری !
حسن خود منظر عشق جواں ہوتا ہے !

شرح و تفصیل سے بیگانہ گزر جا اسے دوست
عقل بڑھتی ہے مگر دل کا زیاں ہوتا ہے !
روح بن جاتی ہے خود نغمہ بے ساز و صدا
ختم جب معرکہ لفظ و بیاں ہوتا ہے !

وسعت فکر و نظر بھی نہ مجھے راس آئی،
ہر تبسم پر جواحت کا لگساں ہوتا ہے !
ساز و مطرب کے کرشموں پہ نہ جانا کہ بیاں
اکثر اس طرح سے بھی رقص فغاں ہوتا ہے !
اقتلابات سے کیا خوف کہ ہر غم جیتگر !
ہی آغوش میں پلتا ہے جواں ہوتا ہے !

(۸۵)

آج بھی یوں تو ہم رندِ جواں ہے ساقی،
 مگر اک آن جو پہلے تھی کہاں ہے ساقی!
 زندگی سلسلہ خوابِ گراں ہے ساقی
 لا تو وہ فتنہ بیدار کہاں ہے ساقی!
 حرم و دیر کا پھٹنا تو گوارا، لیکن!
 دل کو آرام و ملاں بھٹا نہ یہاں، ہے ساقی!
 طنز و تعریض کی آخسہ کوئی حد ہوتی ہے
 آدمی ہوں مرے منہ میں بھی زباں ہے ساقی!
 اپنے رندوں کا نہ احساس نہ رندوں کی خبر
 دیر سے آج خدا جانے کہاں ہے ساقی!
 زیست ہے یا تیری نظروں کے اشاراتِ لطیف
 صبح صہبا ہے کہ فردوسِ شاں ہے ساقی!

(۸۶)

ہر وہ حلقہ جو تری کاکل شبگیر میں ہے
 گوشہ امن بلا خانہ نہ بنجیر میں ہے !
 شاہد روح کہاں ، جلوہ گہ ناز کہاں !
 ناک مصروف ابھی خاک کی تعمیر میں ہے
 کون بھائے یہ قاصد کو دم رخصت شوق
 ربط محکم اسی بے ربطی تحسیر میں ہے
 اپنے سر آپ نہ ہیں دل شکنی کا الزام !
 مجکو معلوم ہے ، جو کچھ ہری تقدیر میں ہے
 خود کھینچے آتے ہیں زنداں کی طرف دیوانے
 کوئی تو وجہ کشش فائدہ رنجیر میں ہے
 دیکھنا جبر مشیت کہ نقیب زنداں !
 پاؤں نہ بنجیر سے باہر ہے نہ نہ بنجیر میں ہے
 چھپ کے پہروں سے دیکھنے والے یہ بتا
 مجھ میں کیا بات نہیں جو مری تصویر میں ہے

(۸۷)

شرما گئے محبا گئے، دامن چھڑا گئے
 اسے عشق مر جہا، وہ یہاں تک تو آ گئے
 ہزار طرح کے ادھام چھا گئے
 یہ تم نے کیا کیا مری دنیا میں آ گئے !
 بچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہل دل
 خوش ہیں کہ جیسے دولت کوین پا گئے !
 جہن کہ اپنی بہ باروں پہ ناز تھا ،
 وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے
 نوجنوں میں سب کی تھیں راہیں جدا جدا
 ہر پھر کے لیکن ایک ہی منزل پہ آ گئے
 کیا کروں میں فطرتِ ناکام عشق کو
 جتنے تھے حادثات بچھے راس پہ گئے

(۸۸)

یوں تو ہونے کو گلستاں بھی ہے ویرانہ بھی ہے
 دیکھنا یہ بھی ہے کہ ہم میں کوئی دیوانہ بھی
 بات سادہ ہی سہی، لیکن حکیمانہ بھی ہے با
 یعنی ہر انسان بقدر ہوش دیوانہ بھی
 ہوشیار اور مست صہبائے قفاقل ہوشیار
 عشق کی فطرت میں اک شانِ حریفانہ بھی
 ہوش میں رہتا تو کیا جانے کہاں رکھا قدم
 یہ غنیمت ہے مزاجاً عشق دیوانہ بھی
 کس جگہ واقع ہوا ہے حضرت واعظ کا گھر
 اور مسجد بھی نہیں، نزد یک۔ میخانہ بھی

ملا جلتا ہے مزاج حسن ہنی سے رنگِ عشق

شمع گہلے باک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے

زندگانی تا کھا صرف مے و جام و سبب

بے خبر، مے خانہ میں ایک اور میخانہ بھی ہے

خیر ہے زاہد، یہ کیسا انقلاب آیا کہ آج

تیرے ہر انداز میں اک کیفِ رندانہ بھی ہے

حاصل ہر جستجو، آخر یہی نکلا حبِ سگر !

عشق خود منزل بھی ہے منزل سے بیگانہ بھی ہے

(۸۹)

ہر تجسلی میں نظر آئی ! آف مے تیری حجاب آئی !
 دل نے لغزش جہاں کوئی کھائی ایک آواز کان میں آئی !
 یوں تو وہ شکوہ سنج رسوائی اور در پردہ ہمت افزائی !
 زندگی تو ہمیں کہاں لائی اک محبت ہزار رسوائی !
 تجھ کو شکوہ ہے اپنی آنکھوں سے تم نہ آئے تو نیند کیوں آئی !
 نیچی نظروں سے دیکھنے والے دیکھنا زخم دل کی گہرائی !
 عشق کی بدحواسیاں تو یہ ! بارہا خود مجھے ہنسی آئی !
 عشق میں عشق کی بلا جانے، نا پذیرائی و پذیرائی !
 دو دل اس طرح مل گئے ناگاہ جیسے برسوں کی ہوشناسائی !
 پھول بننا تھا، مسکرانا تھا وہ کلی ہی نہ ملتی جو مر جھائی !

قطعہ

کارگاہ حیات میں اے موت یہ حقیقت مجھے نظر آئی !
 ہر اُجالے میں تیرگی دیکھی، ہر اندھیرے میں روشنی پائی !
 اب یہ محسوس ہو چلا ہے، جگر ! موت ہے زندگی کی تنہائی !

(۹۰)

نود وہ اُٹھے ہیں حِسام لئے

اب وہ ہے کافر جو ۔۔ بہتے

ن کی بلا سے ان کے لئے،

کوئی مرے یا کوئی جئے !

ہم بھی گرے سو بار مگر،

ان کو بھی اپنے ساتھ لئے !

(۹۱)

جان کر بھلہ خاصان سے خانہ مجھے،
 مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ
 ننگ سے خانہ تھا میں سانی نے یہ کیا کر دیا
 پیہنہ والے کہہ اُٹھے ”یا پیر میخانہ“
 سبزہ دگل موج و دریا انجم و خورشید و ماہ
 اک تعلق سب سے ہے یکن رقیب
 زندگی میں آگیا جب کوئی وقت امتحان
 اس نے دیکھا ہے جس گریبے اختیارانہ

(۹۲)

۱۰ کچھ وقت ایسا گردشِ ایام سے
 زندگی شرابِ رہی ہے، زندگی کے نام سے!
 بھی بچ کر چلا ہوں جلوہ گاہِ عام سے
 بچھ گئے ہیں خود مری فکر و نظر کے دام سے
 نہیں بھی ربطِ میری حسرتِ ناکام سے
 اور کچھ میں بھی گریزاں التفاتِ عام سے
 یا ہے درہم و برہم نظامِ مے کدہ!
 جب کبھی تو یہ مری ٹکرا گئی ہے جام سے
 کی محفل کا تو کیا کنا، مگر لے ہم نشیں!
 رنگِ محفل کہ رہا ہے دل ہیں بیہوش سے
 کل میخانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جبکہ
 زہر کے مسافر شرابِ زندگی کے نام سے!

(۹۳)

جہلی خرو لے یہ دن دکھائے گھٹ گئے انسان بڑھ گئے
 ہائے وہ کیونکر دل بہلائے غم بھی جس کو راس نہ آئے
 ضد پر خنق اگر آجائے پانی چھڑکے آگ لگا
 دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے بھاگے لیکن راہ نہ پاس
 کیسا مجاز اور کیسی حقیقت اپنے ہی جلوے اپنے ہی
 جھوٹی ہے ہر ایک مسرت روح اگر سکین نہ پاس
 کار زمانہ جتنا جتنا، بنتا جائے بگڑتا جا
 ضبط محبت، شرط محبت جی ہے کہ ظالم املا آ

قطعہ

حسن دہی ہے حسن جو ظالم حسن دہی ہے حسن جو ظالم
 نغمہ دہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سننے اور روح سننے

راہ جسوں آسان ہوئی ہے زلف و مژہ کے سائے سے

صحن کعبہ نہ سہی، راہ صنم خزانہ سہی !
 خاک اڑائی ہے تو پھر کوئی بھی ویرانہ سہی
 زندگی تلخ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں !
 اس میں کچھ چاشنی مشربِ زندانہ سہی
 آپ سے جس کو ہونسبت وہ جنوں کیا کم ہے
 دونوں عالم نہ سہی اک دل دیوانہ سہی
 اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں کے حیاؤں !
 تیرا ایمانہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی !
 زندگی فرشِ قدم بن کے بچھی جاتی ہے
 اسے جنوں اور بھی اک لغزشِ ستانہ سہی
 یہ بوائیاں یہ گٹٹیاں یہ فضائیں یہ بوسہ
 محتاسبِ آن تو ثقلِ مے و پیر، نہ سہی !

حسن خود پردہ کشائے رخ مقصود تو ہے

عشق کو حوصلہ عرض تمنا نہ سہی !

کون ایسا ہے یہاں عشق ہے جس کا بے لاگ

آپ کی جان سے دور آپ کا دیوانہ سہی

زندگی آج بھی دل کش ہے انہیں گم دم سے

حسن اک خواب سہی، عشق اک افسانہ سہی

لشہ لب ہاتھ پہ کیوں ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

کچھ نہیں ہے تو شکست خم و خم خانہ سہی

میں نہ زاہد سے ہوں شرمندہ نہ صوفی سے جگر

مسلک عشق مرا، مسلک رندانہ سہی !

(۹۵)

یہ راز ہم پر ہوا نہ افشا کسی کی خاص اک نظر سے پہلے
 کہ تھی ہماری ہی کم ٹکائی، ہمیں تھے کچھ بے خبر سے پہلے
 یہ زندگی خاک زندگی مٹی، گدازِ قلب و جگر سے پہلے
 ہر ایک شے، غیر معتبر مٹی، ترے غم معتبر سے پہلے
 تجھے ہو سیرِ چمن مبارک، مگر یہ رازِ چمن بھی سن لے
 کلی کلی خون ہو چکی مٹی، شگفتِ گل ہائے تر سے پہلے
 کہاں کہاں اڑ کے پہنچے شعلے، یہ ہوش کس کو یہ کون مانے
 ہمیں بس اتنا ہے یاد اب تک لگی مٹی آگ اپنے گھر سے پہلے
 نفس کی ناز کی تیلیوں کی بھی کچھ حقیقت ہے، ہم صفر و
 مگر اُلجھنا پڑے گا شاید، خود اپنے ہی بال و پر سے پہلے
 کہاں یہ شورش، کہاں یہ سستی، کہاں یہ رنگینیوں کا عالم
 نہانہ خوابِ خیال سا تھا، ترے فسوں نظر سے پہلے

خوشایہ بیماری محبت نہ ہے یہ خود داری طبیعت۔

دہی ہیں مصروفِ دلخازی، کوہی جو تھے بے خبر سے پہلے

زمانہ ماننے نہ مانے، لیکن ہمیں یہی ہے یقینِ کامل

جہاں اٹھا کوئی تازہ فتنہ، اٹھا تری رہ گند سے پہلے

اگرچہ ذوقِ نظارہ میں بھی ہزار سرستیاں بھری تھیں

مگر یہ بے باکیاں کہاں تھیں، ترے چھاپِ نظر سے پہلے

اٹھا جو چہرے سے پردہ شبِ سمٹ کے مرکز پہ آگے سب

تمام جلوے جو منتشر تھے، طلوعِ حسنِ بشر سے پہلے

ہری طبیعت کو حسنِ نظرت سے ربطِ باطن نہ ملے کیا ہو

ہری نگاہیں کبھی نہ اٹھیں طہارتِ چشم تر سے پہلے

وہ یادِ آغازِ عشق اب تک ایس جان و دل حزیں ہے

وہ اک جھجک سی، وہ اک جھپک سی، ہر التفاتِ نظر سے پہلے

ہمیں تھے کیا جستجو کا حاصل، ہمیں تھے کیا آپ اپنی منزل

وہیں پہ آکر ٹھہر گیا دل، چلے تھے جس رہ گند سے پہلے

بس ایک دل اور کیف و لذت، بس ایک ہم اور جمالِ فطرت
 یہ زندگی کس قدر حسین تھی، شعور و فکر و نظر سے پہلے
 ہمارے شوقِ جنوں ادا کی، ستمِ ظریفی تو کوئی دیکھے !
 کہ نامہ بر کو روانہ کر کے، پہنچ گئے نامہ بر سے پہلے !
 کہاں تھی یہ روح میں لطافت، کہاں تھی کوئین میں وسعت
 حیات ہی جیسے سو رہی تھی کسی کی پہلی نظر سے پہلے
 یہ نالہ کیوں ہے ؟ یہ نغمہ کیوں ہے ؟ یہ آہ کیسی ؟ یہ واہ کیسی ؟
 یہ پوچھ لے آئینہ کے دل سے، نہ پوچھ اپنے جگر سے پہلے

(۹۶)

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے
 تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی کہاں گزرے
 جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گزرے
 کبھی کبھی وہی لمحے بلائے جہاں گزرے
 مجھے یہ وہم رہا رتوں کہ جرأت شوق
 کیسے نہ خاطر معصوم پر گراں گزرے !
 ہر یک مقام محبت بہت ہی دل کش تھا
 مگر ہم اہل محبت کشاں کشاں گزرے
 جنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کیساتھ
 حسیں حسیں نظر آئے جواں جواں گزرے
 ہری نظر سے تری جستجو کے صدقے میں
 یہ اک جہاں ہی نہیں سینکڑوں جہاں گزرے

ہجوم جلوہ میں پردازِ شوق، کی کہنا !
 کہ جیسے روح سستاؤں کے دریاں گزیرے
 خطا معاف، نہانے سے بدگماں ہو کر،
 ہری وفا پہ بھی، کیا کیا ہمیں گماں گزیرے
 مجھے تھا شکوہ، پھراں، کہ یہ ہوا محسوس
 ہرے قریب سے ہو کر وہ ناگماں گزیرے
 رو و فایں اک ایسا مقام بھی آیا،
 کہ ہم خود اپنی طرف سے بھی بدگماں گزیرے
 خلوص جس میں ہو شامل، وہ دورِ عشق و جوں
 نہ رائیگاں کبھی گزرا، نہ رائیگاں گزیرے
 اسی کو کہتے ہیں جنت، اسی کو دوزخ بھی،
 وہ زندگی جو حسینوں کے دریاں گزیرے
 بہت حسین مناظر بھی، حسنِ فطرت کے،
 نہ جاسنے آج طبیعت پہ کیوں گماں گزیرے

وہ جن کے سائے سے بھی بجلیاں لرزتی تھیں
ہری نظر سے کچھ ایسے بھی آشیاں گزرے

ہر تو فرض چمن بندی جہاں ہے فقط !
ہری بلا سے، بہار آئے یا خزاں گزرے
کہاں کا حسن، کہ خود عشق کو خبر نہ ہوئی !
وہ طلب میں کچھ ایسے بھی امتحاں گزرے

بھری بہار میں تارا جی چمن، مست پوچھ !
خدا کرے نہ پھر آنکھوں سے وہ سماں گزرے
کوئی نہ دیکھ سکا جن کو، دو دلوں کے سوا،
معاملات کچھ ایسے بھی درمیاں گزرے
کبھی کبھی تو اسی ایک مشت خاک کے گرد،
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گزرے
بہت حسین سہی صحنیں گلوں کی مگر،
وہ زندگی ہے جو کانٹوں کے درمیاں گزرے

قطعہ

ابھی سے تجھ کو بہت ناگوار ہیں ہمدم
 وہ حادثات جو اب تک فلاں وال گئے
 جنہیں کہ دیدہ شاعر ہی دیکھ سکتا ہے
 وہ انقلاب تھے سامنے کہاں گزرے !
 بہت عزیز ہے مجھ کو انہیں کی یاد تھر
 وہ حادثاتِ محبت جو ناگہاں گزرے !

(۹۷)

آدمی، آدمی سے ملتا ہے دل مگر کم کسی سے ملتا ہے !
 بھول جانا ہوں میں تم اس کے وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
 آج کہا بات ہے کہ بھولوں کا رنگ ستیری ہنسی سے ملتا ہے
 سلسلہ فتنہ قیامت کا تیری خوش قامی سے ملتا ہے
 فل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
 کاروبار جہاں سنورے ہیں ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے
 روح کو بھی مزہ محبت کا ،
 دل کی ہمسائی سے ملتا ہے

(۹۸)

افشال

لطیف طبع کو لازم ہو سونم بھی لطیف چمن میں آتش گل کا کبھی دھواں نہ
 ہم نامراد شوق جسے بھی تو کیا جسے آنا تھا مفت یہ بھی اک الزام آگیا
 کیا کیا نگاہ دست ہوئی تجھ سے بگلیں دم بھر کے واسطے بھی جو آرام آگیا
 کیا کسے گارہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر
 طعن کیا کیا نہ فرشتوں نے کئے تھے جنت۔ عرش پیما ہے ہی خاک کا پتلا ہو کر
 ہے جو ملنا ہی مقدر تو برابر سے ملے۔ قطرہ دریا میں سمائے تھی تو دریا ہو کر
 چھپتا ہے کہیں باقی بیدا کا عالم ہونٹوں پر تبسم ہے کہ فریاد کا عالم
 دیکھ اے نگہ شوق یہیں تک نہ بٹھرنا اک ور بھی ہو حسن خدا داد کا عالم !
 تجھے گی سوزِ غم سے رُوح کی پیاس اسی شعلہ کو بن جانا ہے شبنم !

ان کی جفا پر ترک وفا کر رہا ہوں میں

سائے کو زندگی سے جدا کر رہا ہوں میں

میری ادائے شکر حضورِ ی تو دیکھنا !
 صد شکوہ فراقِ نسا کر رہا ہوں میں

اللہ اللہ آج حسین دوست کی غمازیاں !
 عشق ہی کو صرف اپنا رازِ داں سمجھا تھا میں

ارے غضبِ ارے ستم، وہ اک نگاہِ سحرِ فنی
 جھکے اگر تو بیتِ کدہ، اُبھٹے اگر تو بیتِ شکن

دیکھا ہے عشق ہی میں یہ عالم بھی بار بار !
 جس کا معاملہ ہو اسی کو خبر نہ ہو !

جنگِ ان حوادث سے گہرا نہ جانا !
 یہی تو ہے دلچسپیوں کا زمانہ !

محبت رہ گئی، بن کر مکمل زندگی اپنی !
 مبارک بے خودی اپنی سلامت با خودی اپنی !
 زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دنیا تھی کبھی اپنی
 لنگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ زندگی اپنی !
 نگاہیں چار ہوئے ہی طاسمِ ظاہری ٹوٹا
 حقیقت نے حقیقت جان لی پہچان لی اپنی !

وہ کیا گئے، بہارِ گلستاں لئے ہوئے
 ہر بھول ہے جراحِ پنهان لئے ہوئے
 دل بھی وہی ہے غم بھی وہی پھر یہ کیا کہ آج
 ہر اشک ہے تبسمِ پنهان لئے ہوئے

یہ شکلِ ناخدا جس میں ہیں لبِ تک جعفر و صادق
 وہ کشتیِ غرق ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے

تو ہلاک ہو شوق و تمکین، میں شہیدِ کیف و مستی
 تیری زندگی بھی سستی، تیری زندگی بھی سستی

ڈلگائے گئے ہیں پائے طلب
 دل ابھی ابترائے ماہ میں ہے
 میرے پندارِ عشق پر مست جا!
 یہ اداس ناز، گاہ گاہ میں ہے!

منظومات

تجدید ملاقات

مدت میں پھر وہ تازہ ملاقات کا عالم
 خاموش اداؤں میں وہ جذبات کا عالم
 فغموں میں سمویا ہوا وہ رات کا عالم
 وہ عطر میں ڈوبے ہوئے لہرات کا عالم
 اللہ سے وہ شدت جذبات کا عالم
 کچھ کہہ کے وہ مہولی ہوئی ہریات کا عالم
 چھایا ہوا وہ نشہ صہبائے محبت
 جس طرح کسی رند خرابات کا عالم
 وہ سادگی حسن، وہ محبوب نکاحی !
 وہ محشرِ صدمہ، شکایات کا عالم
 نظروں سے وہ معصوم محبت کی تراوش
 چہرے پہ وہ مشکوک خیالات کا عالم
 عاجز سے ڈھکتے ہوئے دشمن کے وطنے
 آنکھوں سے ٹپکتا ہوا برسات کا عالم

بے شرط تکلف وہ پذیرائی الفت،

بے قید تصنع وہ مدارات کا عالم

ایک ایک نظر شعر و شباہے مئے و نغمہ !

ایک ایک ادا حسن محاکات کا عالم

وہ نظروں ہی نظروں میں سوالات کی دنیا

وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں جوابات کا عالم

نازک سے ترنم میں اشارات کے دفتر،

ہلکے سے تبسم میں کنایات کا عالم

پاکیزگی عصمت جذبات کی دنیا،

دکھیزگی حسن خیالات کا عالم !

برہم وہ نظام دل و دنیا کے تمنا

پہم وہ شکستوں میں فتوحات کا عالم

وہ عشق کی بربادی زندہ کا مرقع !

وہ حسن کی پابندہ کرامات کا عالم

وہ عارض پر فور، وہ کیف نگہ شوق

جیسے کہ دم صبح مناجات کا عالم !

وہ جبرائیل بیباک وہ شونہی وہ مشرارت ؛
 وہ حسن و محبت کی مساوات کا عالم ،
 نقس جانے کے انداز میں وہ دعوت جبرائیل
 کھو جانے کی صورت میں وہ ہندوستان کا عالم
 شرمائی لجائی ہوئی وہ حسن کی ، شب
 وہ مہکی ہوئی مہکی ہوئی رات کا عالم
 دو پتھر سے دلوں کی وہ ہم صبح و صفا
 پھر کیف وہ بخیر مذاق کا عالم
 وہ عرش سے تا فرش برسے ہوئے انور
 وہ تہنیت ارضی و سموات کا عالم
 تا صبح وہ تصدیق محبت کے نظارے
 تا شام وہ پھر فخر و مہاباوت کا عالم
 عالم مری نظروں میں جگر وہ ، ہی کچھ ہے
 عالم ہے اگرچہ وہی دن رات کا عالم

یاد

آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی
 رہتیش، سو کو مٹاتی چلی گئی،
 یہ منظر، دل، لٹاتی چلی گئی،
 جیب انہیں کو سامنے لاتی چلی گئی،
 بہ، وہ، قلم، قریب تر کاتا چلا گیا
 ہر شے حسین تر نظر آتی چلی گئی،
 ویرانہ، حیات کے ایک ایک گوشہ میں
 جو گن کوئی ستار، بھاتی چلی گئی،
 دل پھٹک رہا تھا آتش ضبطِ فراق سے
 دیبک کو میگمار بناتی چلی گئی
 بے حرف و بے حکایت و بے ساز و پے صدا
 رگ رگ میں فغہ بن کے سماتی چلی گئی

جتنا ہی کچھ سکون سا آتا چلا گیا !
 اتنا ہی بے قرار بناتی چلی گئی
 کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا !
 بے کیفیوں کو نیند سی آتی چلی گئی
 کیا کیا نہ حسن یار سے شکوے بکتے عشق کو
 کیا کیا نہ شر مسار بناتی چلی گئی !
 تفریق حسن و عشق کا جھگڑا نہیں ہا
 تمیزِ قرب و بعد مٹاتی چلی گئی !
 میں لہنہ کام شوق بھٹا پیتا چلا گیا !
 وہ مست انگڑیوں سے پلاتی چلی گئی
 اک حسن بے جہت کی فضا بے بسط میں
 اڑتی گئی، مجھے بھی آڑا تی چلی گئی
 پھر میں ہوں اور عشق کی بے تابیاں جگر
 اچھا ہوا، وہ نیند کی ماتی چلی گئی

سرایا

وہ حسین کا فخر، اللہ اکبر
 وہ قادرِ رعنا، وہ روئے رنگیں
 گیسو و عارض، شانہ بہ شانہ
 شرمایشِ حجبِ مساویں کی تھا
 مینا ہوش، ساغرِ چشم
 وہ مستِ نظریں جب اٹھ گئی ہیں
 گفتارِ شیریں، رفتارِ تازک
 کشتورِ کشائے دلہائے خواب
 شاہکارِ نظرت، اعجازِ قدرت
 گفتارِ مبہم، اجمالِ ہستی،

تخریبِ دوراں، آشوبِ محشر
 عالم ہی عالم، منظر ہی منظر
 شامِ معطر، صبحِ منور
 وہ حلقہ گئے زلفِ معنبر
 بر ربطِ بدستے، میخانہ دریا
 شکرا گئے ہیں ساغر سے
 خیام و حافظ، نسیم و کون
 فرمانِ فائے جانہائے مضہ
 تعبیرِ خواب مافی و آذر
 رفتارِ برہم، تفسیرِ محشر

بزم خلوت، ده طرف گلشن
 دست سیمین، ده جام احمر
 فصل، ده جسم لرزاں
 عشق حیران، ده شوق مضطر
 روح اغافل
 عریای تبسم، پوشیده نشر
 امتزاج شرم و شرارت
 ده موسم گل، ده شیشه و مل
 ده احتیاط آداب پرورا
 ده کیف وستی، ده رت و منتظر
 ده شیشه و مل

نغمه‌هی نغمه، خوشبو‌هی خوشبو

صبا‌هی صبا، ساعز‌هی ساعز

(نا تمام)

قحط بنگال

بنگال کی میں شام دھردیکھ رہا ہوں
 افلاس کی ماری ہوئی مخلوق سیراہ
 بچوں کا ترپنا، وہ بلکنا وہ سسکنا
 بے مہری بیڑی و افلاس و غلامی
 انسان کچے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
 تعمیر کے پرے میں آج اندازہ حکومت
 ہرچند کہ آثار تو کچھاد میں لپٹیں
 بیلہ می احساس سے ہرمت نمایاں
 خاموش نگاہوں میں منڈتے ہوئے جذبات
 انجام ستم اب کوئی دیکھے کہ نہ دیکھے
 ہرچند کہ ہوں دور مگر دیکھ رہا ہوں
 بے گور و کفن خاک بسر دیکھ رہا ہوں
 ماں باپ کی مایوس نظر دیکھ رہا ہوں
 ہے شامت اعمال جبر دیکھ رہا ہوں
 دیکھا نہیں جانتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں
 تخریب عنوان دگر دیکھ رہا ہوں
 اک خیر بھی درپردہ شر دیکھ رہا ہوں
 بیتابی ارباب نظر دیکھ رہا ہوں
 جذبات میں طغوان شہر دیکھ رہا ہوں
 میں صاف ان آنکھوں سگر دیکھ رہا ہوں

صیاد نے لوٹا تھا اعنادل کا دشمن صیاد کا قتل ہوئے گھر کی ماں
 اس بے وطن کو مری بہا نسبت ہو شہد اڑیا کہ تیرے سحر کیے تیرے
 ایک تیغ کی چمک سی نظر آتی ہو مجھ کو کتا تھا میں سرور دیکھ رہا ہوں
 رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیرتاں ہونے لگو اس شب کی سحر دیکھ رہا ہوں
 بیداری و آزادی و اخلاص محبت اک خلد در آغوش غنڈہ دیکھ رہا ہوں

جو خواب کہ مٹا مندا تعبیر ہے اسے خواب

اس خواب کی تعبیر تیرے دیکھ رہا ہوں

پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

ہندوستان میں خیر سے ان کی کمی نہیں

لب پہ ہیں جو خلوص کا دفتر لئے ہوئے

دیتے ہیں بات بات پر انسانیت کا درس

دل میں ہزار دشمنہ و فشر لئے ہوئے

پہرے جنوں حب وطن سے دھوئیں دھوئیں

سینے خباثتوں کا سمندر لئے ہوئے

ظاہر میں اک مجسمہ امن و آشتی !

باطن میں لاکھ فتنہ محشر لئے ہوئے

کہتے ہیں بھائی بھائی ہیں اہل وطن تمام

پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

انسان جس میں بستے ہوں اس طرح کے جگر

بھاگ ایسی سرزمین سے بستر لئے ہوئے

(مدن قیام بمبئی ۱۹۷۶ء)

آج کل !

مگر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل
 شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آج کل
 سائے حیات، سازِ شکستہ ہے ان دنوں
 بزمِ خیالِ جنتِ ویراں ہے آج کل !
 نکھیں تمام شہدِ عشق و جمال ہیں،
 سینہ تمام گنجِ شہیداں ہے آج کل،
 انسانیت کہ جس سے عبادت ہے زندگی
 انساں کے سائے سے بھی گریزاں ہے آج کل
 دل کی جراحوں کے کھلے ہیں چمن چمن،
 اور اس کا نام فصلِ بہاراں ہے آج کل
 صحنِ چمن میں بوئے وفا کا پتہ نہیں،
 رنگِ رخِ بہارِ پُرافشاں ہے آج کل !

تحصیلِ علم و کسبِ خطابت کے باوجود
 تہذیبِ نفس سر پہ گریباں ہے آج کل
 کیسا خلوص کس کی محبت کہاں کا درد
 خود زندگی متاعِ گریزاں ہے آج کل
 افسانہ بن گئی ہیں وسیعِ انھیالیاں !
 کم ظرفی مزاجِ منساہاں ہے آج کل
 سازش و دغا، فریب و سخن پروری درون
 ہر درد کا یہ نسخہ آسان ہے آج کل
 اخلاق ایک فن ہے جو عصرِ جدید میں
 اندازِ حسن بن کے منساہاں ہے آج کل
 شستگی کے بھیس میں روحِ درندگی
 انسان کے لباس میں شیتاں ہے آج کل
 وہ قومیت کہ جس سے ہے انسانیتِ ذلیل
 ہندوستان میں کس قدر رزاں ہے آج کل

دہلی، ودھڑہ دون، نواکھالی و بہتار،

انسان ہے اہم ماتم انسان ہے آج کل

ہے زخم کائنات جو بندو ہے ان دنوں

ہے داغ زندگی، جو سلمان ہے آج کل!

تعداد ایک فرقے کی جتنی بھی گھٹ سکے

کارِ ثواب و کارِ نمایاں ہے آج کل!

وہ دن گئے کہ طائر مقصود کھٹا شکار،

انسان کا شکار خود انسان ہے آج کل

کہتے ہیں جس کو صورتِ آزادی وطن،

دراصل ایک پکیر بے جاں ہے آج کل!

کانٹے کسی کے حق میں، کسی کو گل و ثمر،

کیا خوب اہتمام گلستان ہے آج کل

سرمایہ داریوں کی طرف داریاں ہیں سب،

لیکن مفادِ عام کا عنوان ہے آج کل

ہونے کو یوں تو روز، نئی ہیں عنایتیں،

اردو زبان پہ خاص کراہاں ہے آج کل

نسبت اب اس کو شاید مستور سے کہاں !

شاعر ہے اور پیکرِ عرباں ہے آج کل؛

کچھ رہبرانِ قوم، جو مخلص ہیں واقعی،

اُن کا چراغ بھی تہہ داماں ہے آج کل؛

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ درپردہ شہو

فطرت کا انتقام خراماں ہے آج کل؛

اس سے تو خود کشی ہی غنیمت ہے اے جگر

وہ مصلحت جو پیشہ مرداں ہے آج کل؛

گاندھی جی کی یاد میں

وہی ہے شورِ لائے ہو، وہی بھومِ مردوزن
 مگر وہ حسنِ زندگی، مگر وہ جنتِ وطن !
 وہی زمیں، وہی زماں، وہی ملک، وہی مکن،
 مگر سرورِ یکِ دلی، مگر نشاطِ انجمن !
 وہی ہے شوقِ فوریہ نو، وہی جمالِ رنگِ رنگ
 مگر وہ عصمتِ نظر، طہارتِ لب و دہن !
 ترقیوں پہ گرچہ ہیں، تمدن و معاشرت،
 مگر وہ حسنِ سادگی، وہ سادگی کا بانگِ پین !
 یہ نعمتِ حیات ہے کہ ہے اجلِ ترانہ سنج !
 یہ دورِ کائنات ہے کہ رفعت میں ہے اہرن !
 ہزار در ہزار میں اگر چہ رہبرانِ ملک،
 مگر وہ پیرِ فوجاں، وہ ایک مردِ صفِ شکن !
 وہی ہما تھا وہی شہیدِ امن و آشتی،
 پریم جس کی زندگی، خلوص جس کا پیر ہیں
 وہی ستارے ہیں مگر کہاں وہ باتِ پابند
 وہی ہے انجمن، مگر کہاں وہ صدرِ انجمن !

آوازیں

اگرچہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر نہ ہے کا رو بارِ فطرت
وہی خزاں کا ہے رقصِ عربان وہی ہے جڑنِ بہارِ بھی

.....

چمن کے مالی اگر بنائیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹی بہارِ اب بھی
نسیم ہے آج بھی طربِ زاء، درخت ہیں سایہ دار اب بھی
مگر وہ افسان کہ جس کے چھوٹے سے جلتے ہیں گرو بارِ اب بھی
انہیں خبر کیا نہیں اسکی، انہیں ہیں فتنہ کار اب بھی
مگر وہ ہیں وقت و مصیبت کے قدیم و تازہ شکار اب بھی!
مستوں کو پیامِ عشرت، کہ عقل ہے کج روی کی جانب
محبوبوں کو نویدِ راحت، جنوں ہے آہستہ کار اب بھی
اگر حیر آزادی وطن کو گذر چکا ایک سال کا مل،
مگر خود اہل وطن کے ہاتھوں فضا ہے ناسازگار اب بھی

نو، اپنی بدبختی کے ہاتھوں پر سے نٹ بچ ٹھکتا ہے میں
 صداقتوں سے حقیقتوں سے وہی ہے لیکن فرار اب بھی
 زمیں بدلی، زمانہ بدلا، مگر نہ بدسے تو وہ نہ بدسے
 جو سنگ تارکبک زمینیت تھی، وہی ہے بروئے کار اب بھی
 یہ زندگی غیر مطمئن سی، شکوک و شبہات کی یہ دنیا
 مگر وہ فرمائے جا رہے ہیں کہ رشتہ ہے استوار اب بھی
 کوئی یہ چپکے سے ان سے پوچھے کہاں گئے آپ کے وہ وعدے
 پھوٹتا ہے لہو غریبوں کا دست سرفراہ دار اب بھی
 سفارشیں ظالموں کے حق میں پیامِ رحمت بنی ہوئی ہیں
 نہیں بے شائستہ سماعت دکھے دلوں کی پکار اب بھی
 اسی کا نام ہے اگر ترقی، تو اس ترقی سے باز آئے
 کہ خونِ مخلوق سے خدا کی زمین ہے لالہ زار اب بھی
 ہمیں ملا کر بھی خاک و خون میں نہیں ہیں وہ مطمئن ابھی تک
 ہماری خاکِ لحد کے فتنے میں ان کے دامن پہ بار اب بھی

جو مجھ جیٹن نظام نوہیں، پکار کر آن سے کہہ رہا ہوں
 یہ جان ہے سوگوار اب تک یہ دل ہے ماتم گسارا بھی
 منافقت کی ہزار باتیں وہ سنتے رہتے ہیں اور خوش ہیں
 مگر صداقت کی صاف و سادہ سی بات ہے ناگوار اب بھی
 نہ وہ مروت نہ وہ صداقت، نہ وہ محبت نہ وہ شرافت،
 نہ ہیں خوف و خطر ہیں یعنی، سکون و امن و قرار اب بھی
 زبان و دل میں ربط صادق، نہ باہمی وہ خلوص کامل
 جو تھے غلامانہ زندگی میں وہی ہیں لیل و نہار اب بھی
 غلط یہ جمہوریت کے دعوے دروغ یہ زندگی کے نقشے،
 دلیل اس کی یہی ہے کاٹی کہ ذہن ہے تنگ و تار اب بھی
 یہ جیٹن آزادی وطن ہے، مگر اسی جیٹن و سرخوشی میں،
 بہت ہیں سینہ فگار اب بھی، بہت ہیں بے روزگار اب بھی
 یہی و سادہ سے قہقہے ہیں، یہی جو پھیکے سے ہیں تبسم،
 انہی کی تہ میں بہت سے اشکوں کے ہیں رواں آبشار اب بھی

گرائیاں اُس طرف وہ ارزاں، ادھر یہ افلاس و تنگدستی
 مگر حکومت کا ہے یہ عالم، ذرا نہیں شرمسار اب بھی
 ہزار ہا انقلاب دیکھے، ہزار ہا تجربوں سے گزرے
 خرد میں تنگی، عمل میں لغزش، جنوں ہے نا پختہ کار اب بھی
 یہ رشوتوں کی، یہ سازشوں کی، یہ نفع اندیزیوں کی لعنت
 وہ خود ہی انصاف سے یہ کہہ دیں نہیں وہ کچھ ذمہ دار اب بھی
 انہی کے حلقوں سے خود انہیں کی مخالفت عام ہو رہی ہے
 ہماری جانب سے لیکن ان کی نظر ہے بیگانہ دار اب بھی
 کہاں کی دلداری و محبت، تلافیوں کا تو ذکر ہی کیا
 حقوق پامال کر رہے ہیں حقوق کے پہرہ دار اب بھی
 کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکے گی، مسرت آزادیوں کو حاصل
 کہ عام انسانیت کا عالم ہے تشنہ و بے قرار اب بھی
 وسیع مسلک، رفیع فطرت، خلوص ایمان، خلوص نیت
 انہیں فضائل پر ہے وطن کے وقار کا انحصار اب بھی

زمانہ کیا کیا نہ کہہ چکا ہے، زمانہ کیا کیا نہ کہہ چکا ہے
 مگر وہ ہیں غمِ ضعیف و ایسے، ذرا نہیں شرمسار اب بھی !
 خلوصِ نیت سے صرف اپنی ہی زندگی پر کریں توجہ !
 خلوصِ نیت کی منتظر ہے سعادتِ کروگار اب بھی !
 کبھی کبھی فوراً کرتے رہیے، تھکر کا مصرع یہ پڑھتے رہیے !
 جہنم میں آسکتی ہے پلٹ کر روٹی ہمارا اب بھی !
 تھکر کی ہے زندگی محبت ! نہیں ہے اس کو کسی سولہرت
 تھکر کے دل میں ہے سب کی عزت تھکر ہے یاروں کا یارا ابھی

گذر جا

باز بچہ اباب سیاست سے گذر جا
 ہر عشرت بے وقت و محنت سے گذر جا
 جزاات پر تو ہر شیم صداقت سے گذر جا
 ہر تنگ نظر اہل صحافت سے گذر جا
 الفاظ نہیں دام ہیں یہ مکروہ دغا کے
 خود دانی بیک شرافت کا ہے جو
 تا چند یہ تو ہیں حقوق سنیت
 سر تا بقدم پیکر ایشاد و عمل بن
 کرنا ہے اگر کار نمایاں کوئی تجھ کو
 قسمت تھی خود پر تھے کہ دار میں مضر
 جینا ہے جو منظور تو حیض کی نہ فکر
 جو صبر و قناعت تجھے مفلوج بنا دے

اس کار گہ مکروہ ضلالت سے گذر جا
 جنت بھی میسر ہو تو جنت سے گذر جا
 ہمت سے تو محدود و محبت سے گذر جا
 ہر سادہ و پرکار عبارت سے گذر جا
 نور قلم، جوش خطا بست سے گذر جا
 اظہار و وفا جوش عقیدت سے گذر جا
 آٹھ اور اب اس قعر مذلت سے گذر جا
 ہر مرحلہ شکر و شکایت سے گذر جا
 آٹھ اور ہر آسائی لذت سے گذر جا
 قسمت کو بنانا ہے تو قسمت لذت
 راحت کی تمنائی تو راحت سے گذر جا
 بہتر ہے کہ اس صبر و قناعت سے گذر جا

پیدا نہ کئے تجھ میں جو پاکیزگی روح
 نادار کی مجبوری وستی کی طرف دیکھ
 جھلسے جوئے اجسام بسبکتی ہوئی روہیں
 ہر لمحہ جہاں جہد مسلسل کا ہے پیغام
 دنیا، کہ ہوا اک زنگیرہ شیطنت و حق،
 سیدھی سی میں اک ٹاہ صد اقت چلا پل
 انسانیت عالم کے مرکز کی بنا ڈال
 اوروں کیلئے چھوڑیہ تاریکی مقامات
 لیتا ہٹھا اک دس حیات آبادی کا،
 حق پہنچا اگر تو تو شہادت کا مزا چکھا
 ہے خدمت مخلوق ہی نعم البدل اپنا
 ست کی بقا ہی تری اس موت میں بننا
 سڑیہ سازش کے یہ مردود و عزام،
 توحید کی طاقت کو بنا اپنا معاون

اس فلسفہ و دلائل و حکمت سے گزر جا
 ہر قصر فلک اس کی رفعت سے گزر جا
 کچھ سوچ کے اس منظر عبرت سے گزر جا
 اے تنگ طلب قعر راحت سے گزر جا
 لڑنا ہوا ہر کفر و ضلالت سے گزر جا
 پیر ہیچ گذر گاہ سیاست سے گزر جا
 مہر ناقص و محدود جماعت سے گزر جا
 نفرت سے عداوت سے شقاوت سے گزر جا
 ہر تازہ غم و رنج و مصیبت سے گزر جا
 بچ کر نہ اس آشوب و لاکت سے گزر جا
 کر خدمت مخلوق تجارت سے گزر جا
 سر دیکے تو میدان شہادت سے گزر جا
 تو بصر خاک اندازہ حقارت سے گزر جا
 ہر وہم و غلت و کثرت سے گزر جا

حائل ہو قیامت بھی اگر راہ میں تیری
 بیابان گذر رزم گویا دہر سے لیکن
 تو حسن کے اک ٹرہ کل کی طرف رہا
 کوئین تری سجت و رفعت میں ہے خود بخود
 تہجد پر جو گردہ جہلا طنز کرے کچھ
 ہوتی ہے یونہی نشوونما فکرو عمل کی
 انسان بن انسان یہی ہو تیری سراج
 ٹھکرا کے قیامت کو قیامت سے گذر جا
 مقصد یہ نہیں ختم و فراست سے گذر جا
 ہر جزوی و محدود حقیقت سے گذر جا
 کوئین کی ہر وسعت و رفعت سے گذر جا
 باریخت دلاور و ستانت سے گذر جا
 ہنستا بٹوا ہر جبر حکومت سے گذر جا
 رگائے وطن و قوم کی لعنت سے گذر جا

تیرے یہ پیامات جیسے گم کو مبارک
 تو بھی اب اس بستی عزت سے گذر جا

نوائے وقت !

اُٹھو اُٹھو ! کہ زندگی ہی زندگی پہ بار ہے
 بڑھو ! بڑھو ! کہ چار سو پکار ہی پکار ہے !
 وہ وقت ہے کہ علم حق ہے علم شیطنیت میں گم
 وہ وقت ہے کہ آدمی کا آدمی شکار ہے !
 کہاں کے مطرب غزل، کہاں کے شاہد و چین
 کہ زندگی تمام تر بساط کار و بار ہے !
 غضب کی چھائی جا رہی ہیں ظلمتوں کی بدلیاں
 ستم کہ زمیں آندھیوں کی شمع روزگار ہے !
 زمیں کو روندتے ہوئے صفوں کو چیرتے ہوئے
 بڑھے چلو بڑھے چلو ! یہ وقت کی پکار ہے !

زمانے کا آقا، غلام زمانہ

کہہ رہے تو لے جرات باغیانہ بدل دے مقدمہ پلٹ دے زمانہ
 کھلا باب زنداں تو کیا اس سے حاصل کہ خود زندگی بن گئی قید خانہ
 محبت آدمی جا رہی ہے دلوں سے حقیقت بنی ہو رہی ہے فرسانہ
 شرافت کا معیار : فراطر دولت صداقت کی سراج : لفظی ترانہ
 زبانوں پر اصلاح قومی کے نعرے مگر طینتیں بیشتر مفردانہ
 غریبوں جو کچھ گزرتی ہے گندے سمٹ آئے جمیوں میں لیکن خزانہ
 مجسم خود اک پیکر مادیت، مگر درس روحانیت عسارخانہ
 دلائل کی ہنگامہ آرائیوں میں کہیں روح بسمل کہیں دل نشانہ
 نتائج سے بھی آنکھ کھلتی نہیں ہے ہر اقدام اب تک ہے نامنصفانہ

بشر کی یہ پستی ارے تو بہ تو بہ!

زمانے کا آقا، غلام زمانہ

دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر!

پہلے تو حسن عمل، حسن یقین پیدا کر
 یہی دنیا کہ جو بتِ غامد بنی جاتی ہے
 روحِ آدمِ نگرانِ کب سے ہر تیری جانب
 غم و خاشاکِ توہم کو جلا کر رکھ دے
 دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر
 غم میسر ہے تو اس کو غم کو مین بنا
 آسمانِ مرکزِ خلیل و تصورِ کب تک
 دل کے ہر قطرہ میں طوفانِ تجلی بھرو
 نازِ حسیں پر کریں سچے وہ جہیں پیدا کر
 بستیِ خاکِ پاکب تک ہی بے بال و پری
 پھر مقامِ اپنا سرِ عرشِ بریں پیدا کر

عشق ہی زندہ و پایندہ حقیقت ہے قبل
 عشق کو عام بنا، ذوقِ یقین پیدا کر

اعلانِ جمہوریت

۲۶ جنوری ۱۹۷۹ء

سدا کرے کہ یہ دستور سازگار آئے!

جو بے قرار ہیں اب تک انہیں قرار آئے!

سارے آئے اور اس شان کی بہار آئے!

کہ پھول ہی نہیں کانٹوں پہ بھی نکھار آئے!

وہ سرخوشی ہو کہ خود سرخوشی بھی قص کرے

وہ زندگی ہو کہ خود زندگی کو پیار آئے!

بھلے جو پھول تو دے جسم ناز کی خوشبو،

کلی اگر کوئی چٹکے، صدائے یار آئے!

چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں

کہیں بہار نہ آئے، کہیں بہار آئے!

یہ میکہے کی، یہ ساقی گری کی ہے توہین

کوئی ہو جام بکف، کوئی شرمار آئے!

خلوص و ہمت اہل چمن پہ ہے موقوف ،
 کہ شاخ خشک میں بھی پھر سے برگ و بار آئے
 جنوں عشق ہو صالح اگر ، تو ممکن ہے ،
 کہ پھر اس اُجڑے گلستاں میں بھی بہار آئے
 مذاق عشق بدل دے مزاج کون و فساد ،
 دلوں تک آئے جو تم بھی ، تو خوشگوار آئے
 نظام خلق و مروت کبھی جو براہم ہو ،
 نگاہِ لطف و محبت بڑھے سنوار آئے !
 دلوں پہ نقش نہ رہ جائے کوئی نفرت کا ،
 یہ فتنہ بن کے نہ آشوبِ روزگار آئے !
 برائی کرنے سے پہلے ہی کاش انسان کو !
 نظر ہر ایک بدی کا مال کار آئے !
 وہ حادثات زمانے سے محو ہو جائیں ،
 کہ جن کے ذکر سے انسانیت کو ہمار آئے
 مناسبتی ہی نہ ہو ، یہ نظامِ جمہوری !
 حقیقت بھی زمانے کو سازگار آئے !

خلوص و عدل و مساوات دل میں گھر کر لیں
 نہ یہ کہ ذکرِ زبان پر ہی بار بار آئے !
 ضمیر صاف ہو اپنا تو غیر ممکن ہے ،
 کسی کے آئینہٴ قلب پر غبار آئے !
 محبت آج بھی مشعل فروز منزل ہے ،
 اگر نہ کورنگا ہی بروئے کار آئے ۔ !
 دلوں کی کھوٹ ہو جس کے ضمیر میں شامل ،
 نہ آئی ہے وہ سیاحت نہ سازگار آئے !
 زبان و دل میں ہم ارتباط ہو ایسا ،
 کہ جو زبان کہے ، دل کو اعتبار آئے !
 بنا دیا ہے محبت نے آگ کو گلزار ،
 مگر جو آج کے انسان کو اعتبار آئے
 نہ ہو جو عام مسرت، محال ہے اسے دوست !
 کہ زندگی کو کسی حال میں تسرہ آئے !

ساقی سے خطاب

ساقی! اوڑھ رند، دونوں میخانہ رند جانیت سے والستہ بیت دونوں میں
شاید محبت ہے۔ جہاں ساقی عظیم المرتبت ہے وہاں رند بھی جھولی
رند نہیں بلکہ ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے۔

عصر جدید کے حالات سے متاثر ہو کر نہ میخانہ کی زندگی ترک کرنا اور جدید
جہد کی دنیا میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور ساقی سے اجازت کا طالب ہوتا ہے۔
ساقی کو خیال ہوتا ہے کہ عملی دنیا میں خدا حافظہ نہ سحر کیا گیا انفرشیں ہوں لیکن
پر ساقی کا احساس تکشف ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ ساقی کو مطمئن کرنا چاہتا ہے کہ
نہ لاؤ سو اس دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے

سہرہ مشعل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی!

اسی کے ساتھ نظم میں معیار جنوں، عظیم میخانہ، انسان، اللہ انسانیت، وطن اور
”وطنیت“ وغیرہ کے متعلق بھی رند یعنی شاعر کے نظریات کی وضاحت ہوتی ہے۔

کہاں سے بڑھ کے پہنچے ہیں کہاں تک علم و فن ساقی

مگر آسودہ انسان کا نہ تیرا ساقی نہ میں ساقی!

یہ حسرتا ہوں کہ پیاسی ہے بہت خاک و وطن ساقی

خدا حافظ چلا میں باعدہ کر سر سے کفن ساقی!

سلامت تو، تیرا میخانہ، تیری انجمن ساقی!

مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمت دار و رس ساقی!

رگ و پے میں کبھی صہما ہی صہما رقص کرتی تھی ،
 مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موجدِ ساقی !
 کبھی میں بھی تھا شاید درِ بغل ، تو پرشکن مے کش !
 مگر بننا ہے اب طغیر بکف ، ساغر شکن ساقی !
 نہ لانا سوساں دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے
 سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اند چمن ساقی !
 جو دشمن کے لئے بھی سر سے اپنے کھیل جاتے ہیں
 دلِ خواہاں میں چھتا ہے انہیں کا بالکپن ساقی !
 ترے جوشِ مقاببت کا تقاضا کچھ بھی ہو لیکن ،
 تجھے لازم نہیں ہے ترکِ منصب و فتنہ ساقی !
 ابھی ناقص ہے معیارِ جنوں ، تنظیمِ مے خانہ
 ابھی نامعتبر ہے تیرے مستوں کا چلن ساقی !
 وہی انسان جسے سرتارِ مخلوقات ہونا تھا
 وہی اب سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی !

لباسِ حسرت کے ڈر ہے ہیں ہر طرف پڑے
 بساطِ آدمیت سے شکن اندر شکن ساقی !
 مجھے ڈر ہے کہ اس ناپاک تر دورِ سیاسی میں
 بگڑ جائے نہ خود میرا مذاق شعرو فن ساقی !
 کہیں ملحد نہ بن جاؤں مر سے افکارِ سنجیدہ !
 کہیں مڑتہ نہ ہو جائے مرا ذوقِ سخن ساقی !
 کہیں خود حسن رہ جائے نہ قومی ملکیت بن کر !
 کہیں خود عشق ہو جائے نہ محدود وطن ساقی !
 کہاں میں رندو سرگشتہ کہاں یہ دعوئے تمکین !
 سمجھ لے اس کو بھی میرا اک اندازِ سخن ساقی !
 مجھ کیا ہے یہ ہسکی ہسکی باہیں رنگ لے آئیں !
 بہت باہوش رہتا ہے مراد یوانہ پن ساقی !
 منورِ صبح کا ذب ہی دلیلِ صبح صادق ہے !
 افق سے زندگی کی دیکھ وہ ابھری کر ساقی !
 بیہ جام نے باقی کہ درجنتِ نخواستہ یافت
 سوادِ ساحل گنگا و گلگشتِ چمن ساقی !

فند پارسی

(۱)

یہ بہ تو ساقی نہت من، بہ سرور بے طلبی خوشم
 اگر م شراب نئی دہی، بہ خمار تشنہ بی خوشم !
 چہ خوش است : دوق محبت، چہ بلاست لذت فحتم
 کہ بہ یاد زلف سیاہ تو، بہ ہجوم تیرو شبی خوشم !
 چہ مقام عشق و چہ منزے، کہ دریں زماں میں بید
 نہ بہ شاد سے، نہ بہ مہرے، نہ بہ حاصل غمی خوشم !
 ز نگاہ عشوہ طراز تو چہ گزشتہ در دل من کہ من
 نہ بہ نالہ، نہ سحری خوشم نہ بہ آہ نیم شبی خوشم !
 ز جفا کے سخن تمام تو نہ حکایت نہ شکایت
 چہ حکایت چہ شکایت کہ بہ ترک بے ادبی خوشم